بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۲ | ماہ جنوری ۲۰۱۴ء مطابق ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ | شمارہ نمبر ۱

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	افتتاحیہ	مدیر	۳
۲	نگاہ اولیں	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۴
۳	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۷
۴	مسلمانوں کی موجودہ سیرت کے کمزور پہلو	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۳
۵	بچوں کی پرورش	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی	۳۷

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بعینہٖ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بک ڈپو	+91-9960070028
	طہٰ بک ڈپو	+91-9326401086
	الطاف بک ڈپو	+91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنہ (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن ۔۲۲۶۰۱۸ ۔یوپی، انڈیا۔ فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات　صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ　بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

افتتاحیہ

الفرقان کی عمر کے ۸۱ سال پورے ہوئے، جلد ۸۲ کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ **فالحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات** —— اس مدت میں جو کچھ الفرقان کے صفحات میں لکھا گیا، اور اس کے ذریعہ سے اسلام اور امت مسلمہ کی جو بھی خدمت انجام پائی، دعا ہے کہ اسے بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت عطا ہو، اور جو غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوئیں، وہ عفو و درگزر کی نگاہ سے دیکھ لی جائیں۔

اِس کمزور و ناتواں کی، اور پورے خانوادۂ نعمانی کی دلی خواہش ہے کہ یہ شمع جو ایک مردِ مؤمن نے روشن کی تھی، وہ نہ صرف یہ کہ بجھنے نہ پائے بلکہ اس سے ہدایت کی وہ روشنی پوری تابانی کے ساتھ پھیلتی رہے جو مسلمانانِ عالم کے لئے نقوشِ راہ روشن کرے، اور مختلف مسائل اور شعبوں میں اس سے ایسی رہنمائی ملت اسلامیہ کو ملتی رہے جس میں سلف صالح کے ذوق و مزاج کا لحاظ بھی ہو اور دورِ جدید کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی رعایت بھی، جس میں نفس کے تزکیہ، علم کی حفاظت و اشاعت اور دین کی دعوت و احیاء کے ساتھ ملکی و عالمی حالات پر نظر رکھتے ہوئے مختلف میدانوں میں عزم و حوصلے کے ساتھ ''قدم بڑھاؤ دوستو!'' کی درد بھری پکار بھی ہو، ۔۔۔۔۔۔

یہ بندۂ عاجز اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی کے پورے اعتراف و احساس کے ساتھ اپنے رب کریم و قدیر سے حسنِ توفیق کا سائل ہے، اور اہل علم و قلم حضرات سے تعاون و سرپرستی کا طالب ہے۔

خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

نگاہ اولیں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

ماہ ربیع الاول اور بعض مسلمانوں کا طرز عمل

[ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے الفرقان کی نئی جلد کے پہلے شمارے کے نگاہ اولیں کے طور پر صاحب الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ایک مضمون پیش کیا جارہا ہے —— پڑھئے اور اس کے پیغام کو عام کیجئے —— ائمۂ حضرات اپنی مساجد میں اسے پڑھ کر سنائیں ——— مدیر]

اب سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جب کہ کائنات انسانی بحر ظلمات میں غرق تھی۔ اور روحانیت شیطنت سے مغلوب ہورہی تھی۔ خلاق عالم نے اپنے آخری نبی اور محبوب ترین رسول حضرت محمد بن عبداللہ روحی وقلبی فداہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس دنیا میں بھیجا تاکہ آپ نور ہدایت سے ظلماتِ ضلالت کو شکست دیں۔ اور حق کو باطل پر غالب کردیں۔ ہمارے ماں باپ آپ پر نثار ہوں آپ تشریف لائے اور آتے ہی باذن اللہ دنیا کا رخ پلٹ دیا۔ بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ خدا سے جوڑا اور جو غم نصیب حضیض ذلت میں گر چکے تھے ان کو وہاں سے اٹھا کر اوجِ رفعت پر پہونچایا، مشرکوں کو موحد بنایا اور کافروں کو مومن، بت پرستوں کو خدا پرست کیا اور بت سازوں کو بت شکن، رہزنوں کو رہنمائی سکھائی۔ اور غلاموں کو آقائی۔، چور چوکی دار بن گئے اور ظالم غمخوار —— اور جو دنیا بھر کے آوارہ تھے وہی سب سے زیادہ متمدن ہوگئے اور جن کا قومی شیرازہ بالکل منتشر ہوچکا تھا وہ کامل طور پر منظم کردیئے گئے۔ روحانیت کے فرشتے شیطنت پر غالب آگئے۔ کفر وشرک، بدعت وضلالت اور ہر قسم کی گمراہیوں کو زبردست شکست ہوئی شقاوت وبدبختی کا موسم بدل گیا۔ ظلم وعدوان اور فساد وطغیان کا زور ختم ہوگیا۔ حق وصداقت اور خیر وسعادت نے عالم گیر فتح پائی اور زمین پر امن وعدالت کی بادشاہت قائم ہوگئی۔

جس وقت عالم انسانی کے اس مجئ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس عالمِ آب وگل میں اپنا پہلا قدم رکھا تھا وہ ربیع الاول ہی کا مہینہ تھا اور پھر جب آپ کا سن شریف چالیس ۴۰ برس کا ہوا تو اسی مہینے میں اصلاح عالم

کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ پس اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ربیع الاول ہی اس رحمت عامہ کے ظہور کا مبداء اور روحانی خیرات و برکات کے وفور کا منبع ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ ماہ مبارک آتا ہے تو مسلمانوں کے قلوب میں (حتیٰ کہ ان دلوں میں بھی جو دوسرے موسموں میں بالکل غافل رہتے ہیں) اس وجود مقدس کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور طرح طرح سے خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔

نعماء الٰہی کی یاد سے خوش ہونا بری چیز نہیں بلکہ حدود شریعت سے تجاوز نہ ہو تو ایک درجہ میں محمود ہے ۔۔لیکن آج مجھے عرض کرنا یہ ہے کہ۔

آپ جشن کی ان گھڑیوں اور شادمانی کی ان ساعتوں میں اس قابلِ ماتم حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس مقدس و مسعود وجود نے اس مبارک مہینے میں نزولِ اجلال فرما کر آپ کو جو کچھ دیا تھا، آج آپ اپنی شامت اعمال سے سب کچھ کھو چکے ہیں؟؟؟

ربیع الاول اگر آپ کے لئے خوشیوں کا موسم اور مسرتوں کا پیغام ہے تو صرف اس لئے کہ اس مہینے میں دنیا کی خزانِ ضلالت کو بہار ہدایت نے آخری شکست دی تھی اور اسی مہینے میں وہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروزِ عالم ہوئے تھے جنہوں نے تم پر روحانیت کے دروازے کھولدیئے اور وہ ساری نعمتیں تم کو دلوادیں جن سے تم محروم تھے۔ پھر اگر آج تم ان کی لائی ہوئی شریعت سے دور اور ان کی دلائی ہوئی نعمتوں سے محروم و مہجور ہوتے جارہے ہو تو کیا وجہ ہے کہ گزشتہ بہار کی خوشی تو مناتے ہو لیکن خزاں کی موجودہ پامالیوں پر نہیں روتے؟؟؟

تم ربیع الاول میں آنے والے کے عشق و محبت کا دعویٰ رکھتے ہو اور اس کی یاد کے لئے مجلسیں منعقد کرتے ہو لیکن یہ نہیں سوچتے کہ تمہاری زبان جس کی یاد کا دعویٰ کر رہی ہے اس کی فراموشی کے لئے تمہارا ہر عمل گواہ ہے اور جسکی تعظیم و تکریم کا تم کو بڑا ادعا ہے تمہاری گمراہانہ زندگی بلکہ تمہارے وجود سے اس کی عزت کو بٹہ لگ رہا ہے۔

اگر تمہارے اس دعویٰ عشق و محبت اور ادعائے احترام و عظمت میں کوئی صداقت ہوتی اور تم کو درحقیقت ان سے غلامی کا ادنیٰ سا تعلق ہوتا تو تمہاری دینی حالت ہرگز اس قدر تباہ نہ ہوتی، تم ان کی لائی ہوئی شریعت سے ایسے بے گانہ نہ ہوتے، تم نماز کے عادی ہوتے اور زکوٰۃ پر عامل، تقویٰ تمہارا شعار ہوتا اور اتباع سنت تمہارا طرۂ امتیاز، تم حرام و حلال میں فرق کرتے بلکہ مواقع شبہات سے بھی بچتے۔ تمہاری زندگی نمونہ ہوتی صحابہ کرام کا اور تمہارا ہر عمل مرقع ہوتا اسلام کا۔

پس جب کہ تمہارا یہ حال نہیں ہے اور تم اپنے دلوں سے پوچھو وہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ ہاں نہیں ہے تو پھر یقین کرو کہ ربیع الاول کے موقع پر تمہاری یہ عشق و محبت کی نمائش محض فریبِ نفس ہے۔ جس میں تم خود مبتلا ہو سکتے ہو۔ یا تمہارے ظاہر بیں دوست و احباب۔ خداوند علیم و خبیر تمہارے اس فریب میں

نہیں آ سکتا۔ اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم ان خالی از حقیقت مظاہروں سے دھوکا دے سکتے ہو۔

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں اور اللہ کی قسم محض تمہاری خیر خواہی کے لئے کہتا ہوں کہ تم اپنی ان رسمی مجلسوں کی آرائش سے پہلے اپنے اجڑے ہوئے دل کی خبر لو اور قندیلوں کے روشن کرنے کے بجائے اپنے قلوب کو نور ایمان سے منور کرنے کی فکر کرو——

تم اغیار کی تقلید میں نقلی پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو مگر تمہاری حسنات کا جو گلشن اجڑ رہا ہے اس کی حفاظت اور شادابی کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ تم ربیع الاول کی برکتوں اور رحمتوں کا تصور کر کے مسرت کے ترانے گاتے ہو، لیکن اپنی اس بربادی پر ماتم نہیں کرتے کہ تمہارا خدا تم سے روٹھا ہوا ہے، اس نے تمہاری بداعمالیوں سے ناراض ہو کر اپنی دی ہوئی نعمتیں تم سے چھین لیں ہیں۔ تم آقا سے غلام، حاکم سے محکوم، غنی سے مفلس، زردار سے بے زر بلکہ بے گھر ہو چکے ہو۔ تمہارے ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہے اور تمہارے اعمال صالح کا پھول مرجھا رہا ہے اور غضب بالائے غضب یہ ہے کہ تم غافل ہو۔

پس کیا اس محرومی اور مغضوبی کی حالت میں بھی تم کو حق پہونچتا ہے کہ ربیع الاول میں آنے والے دین و دنیا کی نعمتیں لانے والے رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد کی یادگار میں خوشیاں مناؤ بقول مولانا ابوالکلام آزاد۔

> ''کیا موت اور ہلاکت کو اس کا حق پہونچتا ہے کہ زندگی اور روح کا اپنے کو ساتھی بتائے؟'' کیا ایک مردہ لاش پر دنیا کی عقلیں نہ ہنسیں گی اگر وہ زندوں کی طرح زندگی کو یاد کرے گی؟ ہاں یہ سچ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے اندر دنیا کے لئے بڑی ہی خوشی ہے لیکن اندھے کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ آفتاب کے نکلنے پر آنکھوں والوں کی طرح خوشیاں منائے''

پس اے غفلت شعاران ملت! تمہاری غفلت پر صد فغاں و حسرت اور تمہاری سرشاریوں پر صد ہزار نالہ و بکا اگر تم اس ماہ مبارک کی اصلی عزت و حقیقت سے بے خبر ہو اور صرف زبانوں کے ترانوں اور دیوار کی آرائشوں اور روشنی کی قندیلوں ہی میں اس کے مقصد یادگاری کو گم کر دو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ماہ مبارک امت مسلمہ کی بنیاد کا پہلا دن ہے۔ خداوندی بادشاہت کے قیام کا اولین اعلان ہے، خلافت ارضی و وراثت الٰہی کی بخشش کا سب سے پہلا مہینہ ہے۔ پس اس کے آنے کی خوشی اور اس کے تذکرہ و یاد کی لذت یہ اس شخص کی روح پر حرام ہے جو اپنے ایمان اور عمل کے اندر اس پیغام الٰہی کی تعمیل و اطاعت اور اسوۂ حسنہ کی تاسّی و پیروی کے لئے کوئی نمونہ نہیں رکھتا۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین هداهم الله و اولئک هم اولو الالباب۔ (الفرقان ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

☆☆☆

محفل (۱۳۳) سورۃ المائدۃ (۱۱)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

قرآن آجانے کے بعد ہر معاملے میں اُسی کا فیصلہ!
دعوائے ایمان کے باوجود اس کے فیصلوں سے کترانا اللہ کے ناراض ہونے کی علامت ہے

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ

اور (اسی طرح) تم پر (اے نبی) ہم نے یہ کتاب اُتاری ہے سچائی کے ساتھ، تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے پہلے کی کتابوں کی اور ان پر نگہبان۔ پس تم ان لوگوں کے درمیان فیصلہ اُسی کے مطابق کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشات

کی پیروی میں اس حق سے جو تمہارے پاس آچکا ہے اِعراض نہ کرو۔تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک خاص شریعت اور خاص ضابطہ ہم نے ٹھیرایا۔اور اللہ چاہتا تو ایک ہی اُمت تم سب کو بنا دیتا۔لیکن، تا کہ تمہاری آزمائش اس میں کرے جو تم کو اس نے دیا ہے (اس لئے اس نے ایسا نہیں کیا) پس (کرنے کا کام یہ ہے کہ) سبقت کرو نیکیوں کی طرف، کہ اللہ ہی کی طرف تمھیں لوٹ جانا ہے۔اور وہ پھر ان باتوں کی حقیقت تمھیں جتائے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے (۴۸)

اور (مکرر) یہ کہ تم (اے پیغمبر) فیصلہ ان لوگوں کے معاملات میں اس کے مطابق کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔اور محتاط ان سے رہو کہ کہیں کسی اُس حکم سے تمھیں بچلا دیں جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کرتے ہیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ سزا ان کے بعض جرائم کی انھیں دے۔اور اکثر لوگ بے شک نافرمان ہی ہیں (۴۹) کیا یہ جاہلیت والے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور کون اللہ سے بہتر فیصلے والا اُن کے لئے ہوسکتا ہے جو ایمان رکھتے ہوں؟ (۵۰)

ربطِ کلام

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر حال میں اللہ کے نازل کردہ قانون ہی کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی ہدایت سے جو سلسلۂ کلام اوپر آیت (۴۱) سے شروع ہوا تھا اُسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ آیتیں بھی ہیں۔ پہلے اِسی سلسلۂ ہدایت میں تورات وانجیل نازل کئے جانے کا ذکر ہوا اب اس سلسلۂ ہدایت کی آخری کڑی، قرآنِ پاک، کا بیان آیا ہے اور اُسی مقصد سے، کہ جیسے اپنے اپنے وقت پر تورات وانجیل ہی معیارِ حق وباطل تھیں اب یہی شان اس کتاب قرآنِ مجید کی ہے۔اور لوگوں کے معاملات وتنازعات کے وہی فیصلے مبنی برحق ہیں جو اس کتاب کے مطابق ہوں۔تورات کے پیچھے آنے والی انجیل کی صداقت کے نشان کے طور پر بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے سے پہلے کی منزّل مِن اللہ کتابوں کی مصدِّق (تصدیق کرنے والی) تھی۔اس کتاب (قرآن) کے سلسلہ میں بھی اس نشانِ صدق کی تصریح فرماتے ہوئے مزید برآں ارشاد ہوا کہ وہ اپنے سے پہلے کی کتابوں پر مُھَیْمِنٌ بھی ہے۔

لفظ 'مہیمن' کا مفہوم نگہبان، امینِ اور محافظ جیسے سب الفاظ کے معانی کو حاوی ہے۔اور قرآن کے

مضامین میں یہ سب ہی پہلو کتبِ سابقہ کی نسبت سے پائے جاتے ہیں۔ان کتابوں میں تحریفات کے ذریعہ دین حق کا جو حصہ ضائع کر دیا گیا تھا قرآن وہ سب اپنے اندر لئے ہوئے ایک محافظ وامین کا کردارادا کر رہا ہے۔اور جو کچھ ان کے اندر ہوتے ہوئے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے اس کی وہ ایک نگہبان کی حیثیت سے پردہ دری کرتا ہے۔ بار بار آتا ہے کہ اہلِ کتاب اپنی کتاب کی بہت سے تعلیمات چھپاتے تھے۔مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۶ ''وَاِنَّ فَرِیقًا مِّنھُم لَیَکتُمونَ الْحق۔۔۔(ان میں کا ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے) نیز آیت ۱۵۹ : اِنَّ الَّذِیْنَ یکتمونَ ماۤ انزلنَا مِنَ البَیِّناتِ وَالْھُدیٰ ۔۔۔آلِ عمران کی آیت ۱۸۷:وَاِذ اخَذَاللّٰہُ مِیْثاقَ الَّذِینَ اُوْتُوا الکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُونَہٗ فَنَبَذُوہُ وَراۤءَ ظُھُورِھِمْ۔۔۔۔۔اور اسی سورۃ المائدۃ میں آیت ۱۵ تا ۱۸ (''یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْجاۤءَ کُمْ رَسولُنایُبَیِّنُ لکُم کَثیرًا مِمَّا کُنْتُم تُخْفُونَ مِنَ الْکِتٰب۔۔۔) کا پورا مضمون یہی ہے اور اس میں پردہ دری کا اثبات بھی ہے۔

حکمِ الٰہی کے مطابق فیصلوں کی تاکید

قرآن کی یہ شان بیان ہونے کے بعد اصل مدعائے کلام آتا ہے:فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِما اَنْزَلَ اللّٰہُ ولاَ تَتَّبِعْ اَھْواۤئَھُمْ۔۔۔۔(پس اے نبی تم ان لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق، ان کی ناروا خواہشات کی پیروی میں اس حق سے انحراف ہرگز نہ کرو جو تمہارے پاس آچکا۔) اوپر تورات کے حوالہ میں آیا تھا کہ عہدِ تورات کے لوگوں کو حکم تھا کہ اسی کے مطابق فیصلے اور فتوے جاری کریں، اسی طرح انجیل کے حوالہ میں بھی کہ عہدِ انجیل کے لوگوں کو لازم کیا گیا تھا کہ اب اسی کے احکام عمل میں لائیں۔اب ظاہر ہے کہ یہی مرتبہ اپنے وقت میں قرآن کو ملنا تھا، اور جو کچھ تورات وانجیل کے حوالہ سے اوپر آیا وہ دراصل اِسی بیان کی تمہید تھی۔ پس اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی یہود کے حوالہ سے جو احکامِ حق کے مطابق فیصلوں کی جگہ اپنی مرضی والے فیصلوں کی جستجو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی دوڑ جاتے تھے اسی اوپر گزری ہدایت (''وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُم بَینَھُم بالقسط'') کی مکرر یاددہانی ان الفاظ میں ہورہی ہے کہ حکمِ حق کی پیروی کریں نہ کہ ان کی خواہشات کی۔

اس تاکید کا اصل مقصود ومدعا!

تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا اندیشہ کسی درجہ میں (معاذ اللہ) تھا کہ اتباعِ حق کو بھول کر اُن نامرادوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں جن کی بداندیشیوں کی کوئی حد اللہ نے گناتے گناتے

نہیں رکھی ہے؟ اس کا سوال ہی کیسے پیدا ہوسکتا تھا۔ یہ حقیقت میں اسی طرح کی بات ہونی چاہئے جیسے سورہ بنی اسرائیل میں مکی زندگی کے دور کے احوال میں مشرکین مکہ کی ان کوششوں کی شدت کے بارے میں، کہ کسی طرح آپؐ کو اپنے موقفِ توحید سے تھوڑا بہت ہٹا کر سمجھوتے کی منزل پہ لے آئیں، آتا ہے: وَاِنْ کَادُوا لَیَفْتِنُونَکَ عَنِ الَّذی اَوحَینا اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنا غَیرَہٗ وَاِذًا لاَّتَّخَذُوْکَ خَلِیلًا ۔۔۔۔۔(اور انھوں نے تو کوئی کسر اپنی اس کوشش میں نہیں چھوڑی ہے کہ وحی کے ذریعہ حقیقت کا جو علم ہم تمھیں دے چکے ہیں اس سے تمھیں بچلا کر کچھ اور تم سے کہلوالیں اور پھر بڑا دوست تمھیں بنالیں۔۔۔۔ ۱۷: ۷۴) سو جیسے آپؐ کے پیغام کی تاثیر سے اہل مکہ کی نیندیں حرام ہورہی تھیں مدنی زندگی کے دور میں بالکل ایسی ہی پریشانی سے یہودِ مکہ گزرنے لگے تھے۔ اس سورہ مائدہ کے زمانۂ نزول کے بارے میں شروع میں گزر چکا ہے کہ اس وقت اسلام طاقت کی راہ پر پڑ چکا تھا۔ پس آپ ﷺ کو زیر کر لینے کے منصوبوں کا وقت تو گزر چکا تھا اب تو وہی قریش والی تدبیریں آزمانے کا وقت رہا تھا کہ ''کچھ آپ کا کچھ ہمارا'' پہ سمجھوتہ ہوجائے۔

تو یہ خطاب بظاہر آنحضرت ﷺ سے ضرور تھا مگر اس کے پردہ میں سنایا دراصل انہی باطل پرستوں کو جارہا تھا۔ اور مقصود اس سے ان کی ہمت شکنی تھی۔ آگے کے جملے (لِکُلٍّ جَعَلْنا مِنْکُم شِرْعَۃً وَّمِنْھاجًا ۔۔۔۔۔) جن میں حضور ﷺ کو دی جانی والی مذکورہ بالا ہدایت کا فلسفہ بیان ہورہا ہے، اس حقیقت کو بالکل ہی واضح کئے دے رہے ہیں کہ مخاطب فی الواقع کون ہے۔ اس بیانِ فلسفہ میں مخاطب آنحضرت ﷺ نہیں ہوئے ہیں بلکہ آپ کی امتِ دعوت (یعنی آپ کے دورِ رسالت کی مخلوق) بالخصوص اہلِ کتاب مخاطب ہیں، انھیں (نہ کہ حضور ﷺ کو) بتایا جارہا ہے کہ اب اس نئی کتاب والے احکام کی پیروی ہی کیوں لازم ہے۔ اور کیوں پیغمبر ﷺ اس کے پابند ہیں۔ فرمایا لِکُلٍّ جَعَلْنا مِنْکُم شِرْعَۃً وَّمِنْھاجًا ۔۔۔۔(ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک خاص شریعت ٹھیرائی گئی۔ سب کو ایک امت قرار دے کر الف سے یا تک ایک ہی قانون ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھیرادیا۔) اور یہ یونہی کوئی بے ضرورت و بے حکمت چیز نہیں ہے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تمہاری (یعنی ایمان والوں کی) آزمائش ہوجاتی ہے (لِیَبْلُوَکُم فی ما اٰتٰکُم) کہ تم جس شریعت پر عمل کررہے تھے اس میں اللہ کی فرمانبرداری اور رضاجوئی کا جذبہ کارفرما تھا یا بس پیچھے سے چلے آتے طور طریق کی بے روح پیروی؟ محض اللہ کی رضاجوئی کا جذبہ ہوگا تو پیغمبر کی ذات اور اس کی لائی کتاب میں صداقت و حقانیت کی کھلی نشانیاں تمہارا دل بے تکلف اس کے لئے کھول دیں گی، ورنہ سابق طریق کے لئے اندھی عصبیت میں ڈوبے اسے رد کرنے کھڑے ہوجاؤ گے۔(۱)

شریعت بدلنے سے دین نہیں بدلتا!

واضح رہے کہ ''شریعت ومنہاج'' جس کے مختلف امتوں کے لئے کچھ الگ الگ ہونے کی بات فرمائی جارہی ہے وہ یوں تو دین ہی کا ایک حصہ ہے کہ اسی کی جڑ سے پھوٹتا ہے، اور اسی لئے اس کے فرائض و واجبات اور احکامِ حلال وحرام دینی احکام بھی کہے جاتے ہیں، لیکن اصل دین وہ ہے جو ازل سے ایک ہی ہے اور سدا ایک رہنا ہے۔ قرآنِ پاک ہی میں صراحۃً ارشاد ہے ''تمہارے لئے وہی دین اللہ نے رکھا ہے جس کا حکم نوح کو دیا اور جس کی وحی اے نبی تم پر کی گئی اور جس کا حکم ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا۔ اور حکم دیا کہ اس میں تفرقہ اختیار نہ کرو (الشوریٰ۔ ۴۲: ۱۳) یہ نام ہے عقائد و ایمانیات (توحید، رسالت، آخرت وغیرہ) کا۔ اور شریعت اپنے جداگانہ مفہوم میں نام ہے اس نظامِ عمل کا جو ایمانیات وعقائد کے تحفظ و بالیدگی اور ان کے فطری تقاضوں کی ادائیگی کے لئے دیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف انبیاء کے دور میں حالات، زمانہ اور قوموں کی خاص ضرورتوں اور مصلحتوں کے تقاضہ سے رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ پس کسی نئی دعوت پر جو چیز سابق اہلِ ایمان کے دیکھنے کی ہوتی تھی وہ تھی اصل دین کا بعینہٖ ہونا نہ ہونا، نہ یہ کہ قدیم شرعی رسوم واحکام بدستور قائم ہیں کہ نہیں؟ لیکن کم ہوتے ہیں وہ جو اس پل صراط سے بخیر گزر جانے کے قابل ہوں، پس اس تبدیلی سے کھرے کھوٹے صاف الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ آیت میں اسی خاص فائدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

نیکیوں کی طرف سبقت کا مطلب؟

آگے بات کی تکمیل کے لئے فرمایا گیا: **فاسْتَبِقُوا الْخَیْراتِ ط اِلَی اللّٰہِ مَرجِعُکُم جَمِیعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِما کُنْتُمْ تَختَلِفُونَ فِیہ!**'' یعنی اس چنیں چناں میں عاقبت خراب کرنے کے بجائے نیکی کی راہ پکڑو اور اس میں سبقت کرو اور وہ دن نہ بھولو جس دن سب کو پلٹ کر اللہ کے حضور جمع ہونا ہے۔ اور وہ بتائے گا کہ تمہارے اختلاف اور بحث ومباحثہ میں حق کیا تھا اور ناحق کیا تھا۔ (اور پھر اس کا جو نتیجہ سامنے آئے گا وہ معلوم!) اس جملہ کو سمجھنے کے لئے سابق میں گزری ہوئی اس طرح کی آیتیں یاد کرلینے کی ضرورت ہے جو بتاتی ہیں کہ یہ لوگ دل میں جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ برحق ہیں۔ جیسے البقرہ آیت ۱۴۴ (**وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوتُوا الکِتٰبَ لَیَعْلَمُونَ اَنَّہُ الحَقُّ مِنْ رَّبِّھِم**) پس نیکی کی راہ جسے اختیار کرنے اور اس میں سبقت دکھانے کے لئے فرمایا جارہا ہے وہ صرف آپؐ ہی کی متابعت کی راہ ہوسکتی تھی، کوئی دوسری نہیں۔

حکمِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کی مکرر تاکید

آگے پھر وہی حکم دوبارہ آرہا ہے جو ابھی گزرا۔ فرمایا گیا ہے: وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔۔۔الخ (اور پھر سن لو کہ ان لوگوں کے درمیان فیصلہ تم اس کے مطابق کرو جو اللہ نے نازل فرمایا اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ہوشیار رہو کہ کہیں یہ تمھیں اللہ کے نازل کردہ قانون سے بچلا نہ دیں!) حکم و ہدایت کی اس تکرار سے جس میں چوکنا رکھنے والے الفاظ کا اضافہ بھی ہے یہ بات اور زیادہ قرینِ قیاس ہوجاتی ہے کہ صورتِ حال کچھ وہی بنی ہوئی تھی جس کا سامنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں تھا، کہ سورۂ بنی اسرائیل والی وہ آیات آپ کی حفاظت کے لئے نازل فرمائی گئیں جو مشرکین کی ہمت شکنی کا پہلو بھی لئے ہوئے تھیں۔ اور اسی پہلو کو یہاں مزید یہ فرما کر (واللہ اعلم) نمایاں کیا گیا کہ اگر یہ روگردانی کریں (فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ۔۔۔) تو پرواہ مت کرو بلکہ یہ سمجھو کہ اللہ کے ارادہ سے ہو رہا ہے۔ اور اسے منظور یہ ہے کہ ان کی بعض حرکتوں کی سزا ان کو دے۔

اہلِ ایمان کے لئے اللہ سے بہتر حاکم کون؟

آگے فرمایا گیا: وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ۔ النّاس، میں تمام انسان آتے ہیں۔ اور عمومی طور پر انسانوں کا حال بالکل یہی ہے کہ خدا کا ڈر رکھنے والے کم ہیں۔ پس لفظ کے اولین تقاضہ کے مطابق یہ عام مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے جس میں وہ یہود بھی آجاتے ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے اور سیاق وسباق کی رعایت سے اس کی بھی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ خاص طور پر یہود ہی اس عام لفظ سے مراد لئے جائیں کہ ان کی اکثریت کو فرمایا جارہا ہے کہ نافرمان ہے۔ لیکن وہ تو مدعی اصل مؤمن ہونے کے تھے۔ پس ارشاد ہوا: انھیں تمہارے فیصلے نہیں منظور تو کیا دورِ جاہلیت والے فیصلے ان کو چاہئیں؟ جبکہ ایمان والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا تو کوئی دوسرا ہو نہیں سکتا۔ اور ہوسکتا ہو تو بتائیں وہ کون ہے؟ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ؟

☆☆☆

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

مسلمانوں کی موجودہ قومی سیرت کے بعض کمزور پہلو

[حضرت مولانا (علیہ الرحمۃ) کا یہ مقالہ تقسیم ہند سے قبل کی سیاسی اور انتخابی کشمکش کے موقع پر الفرقان محرم ۱۳۶۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ زمانہ بدل گیا، حالات کی بساط یکسر الٹ گئی اور مسلمانانِ ہند کی قومی سیرت کی جن کمزوریوں کا تذکرہ حضرت مولانا نے اپنے اس مضمون میں کیا تھا وہ اب بھی ہیں، بلکہ بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں، نیز ہمارے آج کے قارئین تو اسے پہلی بار پڑھیں گے۔ اس لئے جتنا موزوں اور مفید یہ مقالہ اپنی پہلی اشاعت کے وقت تھا اتنا ہی آج بھی ہے ——— مدیر]

مسلمانوں پر تنقید کرنا اور ان کے کمزور پہلوؤں کو نمایاں کرنا کسی مسلمان کے لئے قطعاً کوئی خوش گوار کام نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی شخص آسانی سے تیار نہیں ہوسکتا۔ لیکن دنیا کے سب ضروری کام خوش گوار نہیں ہوتے ایک ایسی جماعت کی کمزوریوں کو خاموشی سے دیکھتے رہنا جس سے نہ صرف اس کی اپنی قسمت بلکہ دنیا کی قسمت بھی وابستہ ہے اور جو انجیل کی زبان میں نمک ہے جس کی نمکینی کے ضائع ہوجانے کے بعد پھر زمین کو کوئی چیز نمکین نہیں کرسکتی۔ ایک ایسا ناخوش گوار کام ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر ناگواری، ہر تلخی، ہر طرح کی روحانی اذیت اور ہر قسم کی ذہنی کوفت ہیچ ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی یا دوسروں کی یہ ناخوشگواری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

مسلمانوں کی کسی قوم یا ملک کا سلطنت واقتدار سے محروم ہوجانا یا مسلمانوں کا عالمگیر سیاسی زوال بہت بڑا حادثہ ہے۔جس پر جتنا ماتم کیا جائے وہ کم ہے اس کے جو اخلاقی اور ذہنی نتائج ہوتے ہیں وہ بھی اب کچھ پوشیدہ نہیں رہے۔لیکن اس سے بدرجہا المناک حادثہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی ذہنیت یا نفسیات کسی ایسے سانچے میں ڈھلنے لگے جو صحیح اسلامی تعلیم وتربیت کا سانچہ نہیں ہے اور بعض انفرادی عیوب ونقائص، یا منکر خدا اور منکر آخرت قوموں کے صفات وخصائص، مسلمانوں کی سیرت کا جز بننے لگیں اور قومی کیرکٹر کی صورت اختیار کرنے لگیں۔تحریف دین کی اصطلاح تو پہلے سے موجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عملی کوتاہیوں اور ذاتی انحراف سے بڑھ کر کوئی جماعت اصل دین، اس کی کتابوں اور اس کی تعلیمات میں ترمیم وتنسیخ اور ردوبدل شروع کرے اس کے نتائج انحراف سے کہیں بڑھ کر خطرناک اور وسیع ہوتے ہیں اور اس کا علاج اور اس صورت حال کی اصلاح تقریباً محال ہوتی ہے۔اس لئے کہ اس تحریف سے اس قوم کے ذہن میں حقائق بدل جاتے ہیں۔گناہ عین صواب اور بعض اوقات ثواب کار بن جاتا ہے اور ان کو دین کی اصل حقیقت سے ہٹ جانے یا دور پڑ جانے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں، وہی عین دین معلوم ہوتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں میں مذہبی طور پر یہی صورت پیش آئی۔میں اس تحریف دین کے مقابلے میں اس ذہنی واخلاقی تبدیلی کو جو ہندوستان کے مسلمانوں میں نظر آرہی ہے تحریف مسلمین سے تعبیر کروں گا۔مسلمانوں میں عملی کوتاہیاں کم وبیش ہمیشہ پائی گئیں۔اور انسانوں کو کسی جماعت کا ان سے یک سر پاک ہونا بہت مستبعد ہے۔لیکن یہ انحراف تھا، مسلمان اس کو غلط سمجھتے رہے اور اسلامی ذہن وضمیر ہمیشہ اس کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔اور کبھی مسلمانوں نے اس پر فخر نہیں کیا۔لیکن اب جو کچھ نظر آرہا ہے اس کو انحراف کہنا مشکل ہے۔اور وہ اس سے کچھ زیادہ وسیع اور عمیق اور اس سے مختلف شکل رکھتا ہے۔یہ مسئلہ مسلمانوں کے تمام تعلیمی سیاسی اور اقتصادی مسائل سے زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے۔قومی کیرکٹر ہر قوم کی زندگی میں اس کی قومی دولتوں سے کہیں بڑھ کر بیش قیمت ہوتا ہے بالخصوص مسلمانوں کی اسلامی سیرت بڑی سے بڑی سلطنت اور بڑے سے بڑے قومی ادارہ اور زیادہ سے زیادہ قومی ترقی اور اقتصادی خوش حالی سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔کسی بڑی سے بڑی قیمت اور عظیم سے عظیم بدل پر بھی اس کے نقصان یا زوال کو گوارہ نہیں کیا جاسکتا، اگر اس پر زوال آگیا یا اس میں کچھ غلط تبدیلی واقع ہوگئی تو بڑی سے بڑی مادی کامیابی اور فتح سے اس کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔یہ تبدیلی مختلف تاریخی وسیاسی وتعلیمی وتہذیبی

اسباب، بعض مؤثر اور اشتعال انگیز حالات اور واقعات اور زیادہ تر قیادت کی کمزوری سے صدیوں میں پیش آتی ہے۔ لیکن جب بدقسمتی سے یہ تبدیلی واقع ہوجاتی ہے تو صدیوں تک اس کا اثر قائم رہتا ہے اور اور اس کے اجتماعی نتائج اس قوم کے تمام افراد کو برداشت کرنے پڑتے ہیں —— خواہ انفرادی طور پر بعض افراد کتنے ہی نیک سیرت ہوں۔

اس موقع پر چند نمایاں کمزور پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دینی و اخلاقی حیثیت سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اور جن کو اصل اسلامی سیرت اور اخلاقی تعلیمات سے زیادہ بعد اور تعارض ہے۔

اصول و اخلاق پر مصالح و منافع کی ترجیح

(۱) ایک نہایت اہم اور گہری اور انقلاب انگیز تبدیلی جو مسلمانوں کی ذہنیت و نفسیات میں اس پچاس سال کے اندر اندر واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آخرت پر ایمان عملاً کمزور ہوتا چلا جارہا ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر، یا مستقلاً، اصول اور صداقت کے مقابلے میں منافع و مصالح، آجل کے مقابلہ میں عاجل کو ترجیح دینے کا مرض پیدا ہوگیا ہے۔ اس سے مسلمان ایک بااصول، بلند اخلاق، پختہ سیرت جماعت کے بلند مقام سے گر کر ایک بے اصول، ناقابل اعتبار، ابن الوقت اور مصلحت پرست قوم کی ادنیٰ سطح پر آتے جارہے ہیں جس کے سامنے کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے بلکہ صرف منافع و مصالح اور اغراض و مقاصد ہیں۔ یہ تبدیلی اس وقت شروع ہوئی جب ہندوستان میں اور تقریباً تمام اسلامی ممالک میں (جو کسی طرح یورپ کے زیر اثر آئے) مسلمانوں کو مغربی تہذیب، مغربی فلسفہ اخلاق اور مغربی معیاروں کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ مغربی اخلاق، فلسفہ علوم اور سیاست کا ہر طالب علم اور اس زمانے کا ہر واقف آدمی جانتا ہے کہ یورپ کا سارا نظام زندگی تام تر مادہ پرستی اور مصلحت جوئی پر مبنی ہے ''افادیت'' اور ''مصلحت بینی'' اس نظام زندگی کے ریشہ ریشہ میں سرایت کرچکی ہے سارا یورپ اس وقت سے جب سے اس نے کلیسا کے اقتدار سے اپنے آپ کو آزاد کرایا۔ صرف ایک ہی عملی مذہب رکھتا ہے (جس کے خلاف کسی گوشہ میں بھی عملاً کوئی بغاوت نہیں) اور وہ مذہب مادہ پرستی ہے۔ مسلم ممالک میں اس نظام کے غلبہ کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ آخرت کی اہمیت کم ہوتے ہوتے بعض حلقوں میں (جہاں یہ نظام اپنی پوری روح کے ساتھ مستولی ہے) معدوم ہوگئی ہے دنیاوی ترقی اور مادی فوائد و منافع منتہائے نظر بن گئے ہیں۔ اصولی و اخلاقی معیار منافع و فوائد کے مقابلے میں اپنی اہمیت بالکل کھو چکے ہیں۔ مسلمانوں میں اس دعوت کے علمبرداروں نے ترقی (یعنی دنیاوی

ترقی) پر اتنا زور دیا اور اس شدومد اور بلند آہنگی سے مادی ترقی کی دعوت دی کہ بالارادہ یا بلاارادہ آخرت اور امور آخرت کی اہمیت کم ہوگئی ۔ بلکہ بعض اوقات انہوں نے اس نظام اور ان افکار کی تضحیک وتنقیص کی جس میں دنیا کے مقابلے میں آخرت کی اہمیت زیادہ تسلیم کی گئی تھی ۔اور مسلمانوں کو دنیا پرست اور آخرت سے غافل ہونے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی ان جملوں اور ان تقریروں اور تحریروں کا مذاق اڑایا گیا اور ان کی ہجو کی گئی جن میں دنیا کو متاع قلیل اور متاع غرور کہا گیا تھا دنیا پرست اور مادہ پرست اور منکر آخرت قوموں اور ملکوں (غالباً صحیح تر ایک قوم اور ملک) کو مسلمان نوجوانوں کے سامنے ایک بلند نمونہ اور معیار کامل کے طور پر پیش کیا گیا جو ہر تنقید سے بالاتر تھا ۔ پھر جو نظام تعلیم قائم کیا گیا اس میں انکار آخرت کی روح بسی ہوئی تھی اس کی اساس اخلاق کے مقابلے میں ظاہری منافع کی ترجیح پر رکھی گئی تھی ۔اس میں شرافت اور اخلاق کے مقابلے میں خواہش نفس اور لذت کا عنصر غالب تھا وہ تمام تر ایسی قوم اور ایسی تہذیب کے ذہن کی پیداوار تھا جو سرتاپا منکر آخرت تھی دراصل یہ کسی مجرد نظام تعلیم کی قبولیت کی دعوت نہ تھی اور نہ ایسا ممکن ہے بلکہ یہ ایک پوری تہذیب تمدن ومعاشرت اور اخلاق وفلسفۂ اجتماع کی دعوت تھی ۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کو صاف صاف ہوا کے رخ پر چلنے اور دریا کے بہتے ہوئے دھارے پر کشتی چھوڑ دینے کی دعوت دی اور صاف صاف کہا کہ ؎

''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''

''زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز''

اس دعوت میں مسلمانوں کی بہترین قابلیتیں صرف ہوئیں ۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نظروں میں اصول واخلاق کی اہمیت بتدریج گھٹتی چلی گئی اور بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جس کے نزدیک اخلاق ومصالح میں کوئی تقابل نہ تھا اور ہر موقع پر مصالح کو اصول پر ترجیح حاصل تھی ، وہ ہر وقت بڑے سے بڑے مذہبی اصول ،شرعی حکم ،اخلاقی تعلیم کو ایک شخصی منفعت یا قومی مصلحت پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتا تھا ۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خاص قسم کی محدود معاشی ترقی کے ساتھ ایک عام اخلاقی انحطاط اور بے اصولی پھیلی ۔ بیسویں صدی کے اس نصف اول میں ہندوستان میں ہمیں مسلمانوں کے کیرکٹر میں پہلے کے مقابلے میں نمایاں اور محسوس انحطاط نظر آرہا ہے جو ہر سوچنے سمجھنے والے مسلمان کے لئے حد درجہ تشویش ناک ہے اب ایک اصول اور مذہبی اعتقاد کے مقابلے میں ذاتی ترقی یا شخصی فوائد کی قربانی کی مثالیں کم سے کم تر نظر آتی ہیں ۔ وہ بھی زمانہ گزشتہ کی یادگاریں ہیں جو برابر روبزوال ہے ۔اب تمام مسائل زندگی پر ایک تعلیم

یافتہ مسلمان کا طریق فکر اور زاویہ نگاہ خالص مادہ پرستانہ اور تاجرانہ ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کام میں اس کے لئے کتنی منفعت ہے یا اس کو کس قدر جاہ واعزاز حاصل ہوگا اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وہ شرعاً اس کے لئے جائز اور اخلاقاً مستحسن ہے یا نہیں بلکہ اس کا اپنا ضمیر بھی اس سے مطمئن ہے یا نہیں۔ یہ سوالات مسلمانوں کے دماغوں سے ایک عرصہ سے بالکل نکلتے جارہے ہیں یا ان کی اہمیت کم ہوگئی ہے اور ان کی بناء پر کسی مسلمان کو کسی عہدہ یا منفعت یا اعزاز کے قبول کرنے میں قلب وضمیر کی رکاوٹ کم سے کم پیش آتی ہے خواہ وہ شریعت میں مطلقاً حرام اور اخلاقاً حد درجہ معیوب ہو اور اس کا ضمیر ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے مطمئن نہ ہو۔ بلکہ اب اس کو ایک قومی خدمت سمجھا جاتا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے اس کو دیکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ جو روپیہ کسی جائز یا ناجائز طریقہ پر کسی فرد کی جیب میں آتا ہے اور اس کے بچوں اور متعلقین کی خوش حالی کا سبب بنتا ہے وہ گویا قومی فنڈ میں جمع ہوتا ہے اس لئے کہ سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کی خوش حالی یا چند افراد کی خوش حالی خواہ وہ کسی قدر ذلت اور احکام مذہبی کی صریح مخالفت کے بعد ہی ہو قومی خوش حالی کے مرادف ہے۔

اس ذہنیت وسیرت اور اس عام اخلاقی انحطاط اور کیرکٹر کی کمزوری کا اثر مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر پڑ رہا ہے اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عیب نظر نہیں آتا بلکہ اس پر بحث کی گنجائش بھی بہت کم رہ گئی ہے۔ اس کا نتیجہ وہ عام بے اصولی، تناقض اور اخلاقی کمزوریاں ہیں، جن کی مثالیں ہمیں ہر جگہ ملتی ہیں۔ ہمارے مسلمان اخبارات ورسائل میں (الا ماشاء اللہ) ہر قسم کا خلاف تہذیب اشتہار شائع کرایا جاسکتا ہے اگر اس کی قیمت ادا کردی جائے، ادبی رسائل میں ہر قسم کے مخربِ اخلاق، حیاسوز و عریاں مضمون وافسانے واشعار شائع ہوسکتے ہیں، بے حیائی اور اخلاقی بے نظمی کی ہر تحریک کے لئے وہ آلہ بن سکتے ہیں۔ بدتر سے بدتر فواحش کی اشاعت ان کے ذریعہ سے کی جاسکتی ہے۔ اگر ان کو اس راستے سے اپنے رسالے کی کامیابی اور مقبولیت کا ایک فی صدی بھی امکان نظر آئے تو ایسی صورت میں وہ اس کی ہرگز پروانہ کریں گے کہ ان کی اس حرکت سے خلق خدا کی اخلاقی ابتری اور انحطاط کا ۹۹ فی صدی امکان ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان اخبارات ورسائل کے مالک وایڈیٹر ذاتی طور پر شریف مسلمان ہوں اور وہ اصولاً ان چیزوں کو درست نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن اگر آپ اس مسئلے پر ان سے گفتگو کریں گے تو وہ صاف کہہ دیں گے کہ تجارت وصحافت میں اصول مذہب اور اخلاق کی پابندی نہیں کی جاسکتی۔

اخبارات کسی اصول اور صحیح مسلک کی ترجمانی اور صحیح خیالات وافکار کی اشاعت کے بجائے اپنے قارئین اور عوام کے خیالات وخواہشات کی ترجمانی کو اصول صحافت سمجھتے ہیں۔ وہ عوام کی ناراضی اور بددلی کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی خوشی اور اپنے اخبارات کی مقبولیت واشاعت کے لئے ہر قسم کی بے اصولی ہر طرح کے تناقص اور ہر درجہ کے ابتذال کو گوارا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مذاق سلیم، فکر صحیح اور اخلاق قومی پر یہ اخبارات بڑی طاقت کے ساتھ اثر انداز ہیں اور مسلمانوں کے افکار و خیالات میں جو عام بے ربطی وتناقض، عام ذہنی انتشار اور اشتعال پذیری پائی جاتی ہے۔ اس میں میرے نزدیک ان اخبارات کا بڑا حصہ ہے۔

مسلمان اہل علم اور اہل قلم کو آپ ہر کام پر لگا سکتے ہیں اگر اس کا خاطر خواہ معاوضہ آپ ان کو ادا کریں، ان سے خود ان کے خیالات وافکار کے خلاف سب کچھ کہلوا سکتے ہیں۔ لکھوا سکتے ہیں اور شائع کروا سکتے ہیں اگر اس کی قیمت ادا کر سکیں، بڑے بڑے سنجیدہ اور ذی علم اہل قلم واخبار نویس اور پُر جوش اسلامی نظمیں لکھنے والے شاعروں سے ایسے پروپیگنڈے کے کام لئے جا سکتے ہیں جس سے وہ خود بھی متفق نہیں ہیں۔ اگر آپ ان سے اس بارے میں استفسار کریں گے تو وہ آپ کو جواب دیں گے کہ اس میں کون سا مذہبی یا قومی نقصان یا شرعی گناہ ہے؟ یہ تو ایک بزنس ہے ایک شخص ہم کو معاوضہ دیتا ہے اور ہم اس کے بدلے میں اس کو ایک تقریر یا مضمون تیار کر دیتے ہیں گویا ضمیر فروشی بھی ایک شریفانہ تجارت ہے اور تعاون علیٰ الاثم والعدوان۔ (گناہ اور زیادتی پر مدد کرنا) خود کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ یہ دماغی وذہنی بیوائی اس بیوا عورت کے گناہ سے بدتر ہے۔ جو اپنا جسم کرایہ پر چلاتی ہے۔

جب سے مسلمانوں پر مغربی طرز کی قومیت کا غلبہ ہوا ہے وہ ہر چیز کو قومی ترقی اور قومی مفاد کے نقطۂ نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور جن چیزوں کا ارتکاب وہ ذاتی سربلندی اور شخصی منفعت کے لئے کرتے تھے اب اس کو قومی مفاد کے لئے ضروری سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اب ان کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ تمام محکموں اور شعبوں میں ان کا تناسب قائم رہے۔ خواہ وہ آب کاری کا محکمہ ہو یا جاسوسی کا سودی کاروبار کے نظام ہوں یا فی سبیل الشیطان لڑنے والے نظام۔ غضب یہ ہے کہ وہ کام بھی جس کی حرمت مسلمانوں کے لئے قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور جس پر قرآن کی یہ دو آیتیں شاہد ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَٰسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

بلاشبہ جن لوگوں کی فرشتے اس حال میں جان نکالتے ہیں کہ وہ اپنا برا کرتے ہوں ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے (کہ ایمان لاکر نکوکاری نہ کرسکے) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں بے بس تھے فرشتے کہتے ہیں کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی جہاں تم وطن چھوڑ کر چلے جاتے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے لوٹنے کی۔

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوٓا أَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

جولوگ ایمان دار ہیں وہ جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جولوگ کافر ہیں وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سوتم لڑو شیطان کے حامیوں سے درحقیقت شیطان کا فریب کمزور ہے۔

اس کو اسی قومی مفاد اور مسلمانوں کے تناسب اور ان کے قومی تفوق کو برقرار رکھنے کے لئے جائز قرار دیا گیا اور بعض مسلمانوں ہی کی کوشش سے اس میں غیر معمولی کامیابی ہوئی اور ہورہی ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کے نزدیک اصول وصداقت پر مفاد وہ مصالح مقدم ہیں۔ اخلاقی معیار اور اخلاقی حقیقتیں ان کی نگاہ میں وقیع نہیں۔ اصل چیز وہ منافع اور فوائد ہیں جن کا حصول اپنی ذاتی خاندان یا قوم کے لئے ضروری یا فائدہ مند سمجھا جاتا ہے یہ ذہنی کیفیت اور سیرت ایک ایسی ملت کے لئے جو پیغمبروں کی تعلیمات اور اصول کی حامل ومعین ہے اور اخلاق وسیرت وکردار میں تمام دنیا کے لئے نمونہ وشاہد ہے۔ حددرجہ نامناسب اور غیر مطابق ہے۔ اگرچہ ایک قوم خالص ''قوم'' کے لئے بالکل مناسب ہے۔ اور اس کا مسلمانوں کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ ان کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔

یہ ذہنیت وسیرت ہمارے علم میں کم سے کم ہندوستان میں اس پچیس تیس برس کے عرصے میں نمایاں ہوئی ہے اور اس کو بڑا فروغ اس مغربی قوم پرستی اور موجودہ سیاسی جوش اور دفاعی جذبے نے دیا ہے جو ان پچھلے برسوں میں مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے ورنہ مسلمانوں کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے

اصول واخلاق پر بڑے بڑے مصالح ومنافع کو ہمیشہ قربان کیا اور ایک اخلاقی اصول یا دینی حکم کی حفاظت کے لئے انہوں نے عظیم الشان سیاسی یا معاشی فوائد کو ٹھکرا دیا۔

حضرت عمرؓ نے جبلہ معاملے میں ٹھیک یہی طرز عمل اختیار کیا تھا جسے ایک خالص قوم پرست کے نقطہ نظر سے ایک بڑی سیاسی غلطی کہنا چاہئے صرف ایک شرعی حکم (قصاص) اور دینی اصول (مساوات) کے قائم رکھنے کی خاطر ان کو جبلہ جیسے بااثر والی ریاست اور غسان جیسے طاقتور قبیلہ کی امداد سے دست بردار ہونا پڑا مگر انہوں نے اس کے لئے اصول میں کوئی تبدیلی نہیں کی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جبلہ سے ہزار درجہ بڑھ کر طاقتور فرمان روا اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے غسان سے ہزار درجے بڑی ریاستیں اسلام کے اثر میں آئیں اور شریعت اسلامی میں کوئی تحریف نہیں ہوسکی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے کسی سیاسی مصلحت کی خاطر ادنیٰ درجہ کی بھی بے اصولی اور اخلاقی معیار سے انحراف قبول نہیں کیا اور اس کے لئے وہ تمام مشکلات قبول کیں جو ان کو اپنی خلافت میں پیش آئیں۔ مگر نظام خلافت میں کوئی تحریف نہیں ہونے دی۔

حضرت حسینؓ کو کوئی سیاسی مصلحت اور قومی مفاد ایک ایسے نظام حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ نہ کرسکا جو ان کے نزدیک غلط اور ان کے اعتقاد واصول کے خلاف تھا۔

ابھی نصف صدی پہلے جب مغربی تہذیب اور مغربی افکار ہندوستان میں مقبول نہیں ہوئے تھے ہندوستان کے مسلمانوں کا کیرکٹر اتنا مضبوط تھا کہ اعلیٰ قسم کے دینداروں کے علاوہ متوسط درجہ کے بااصول اور وضعدار شرفا بھی جھوٹ بولنا اپنے ضمیر اور اعتقاد کے خلاف کوئی کام کرنا یا کچھ کہنا کفر سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ اور مرجانے کو اس پر ترجیح دیتے تھے بدایوں کے ایک بزرگ (غالباً) مولوی رضی اللہ صاحب) ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ماخوذ تھے۔ کلکٹر یا جج ان کا شاگرد تھا اس نے ہزار کوشش کی کہ ایک مرتبہ مولوی صاحب اپنی زبان سے جرم کا انکار کردیں تو ان کو صاف بری کردے گا۔ لیکن انہوں نے آخر وقت تک جھوٹ بولنے اور اپنے ضمیر واعتقاد کے خلاف کچھ کہنے سے انکار کیا اور سزائے موت قبول کی۔

مولانا محبوب علی صاحب دہلوی نے ۵۷ء کے ہنگامے میں عام علماء کے مسلک سے کچھ اختلاف کیا بعد میں انگریزوں نے ۹ گاؤں صلہ میں دینے چاہے مگر انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ یہ میرا اجتہاد تھا میں نے کسی مصلحت سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

یہ سینکڑوں ہزاروں میں سے دو مثالیں تھیں، شریف خاندانوں اور شرفا کی بستیوں میں جاکر

پوچھئے ،تو اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ سنیں گے۔

سیرت کی صلابت ،اخلاق کی استقامت اور اصول کی پابندی کی ان مثالوں کا مقابلہ اس زمانے کی بے اصولیوں اور اخلاقی کمزوریوں ،ضمیر فروشیوں اور مسلک وخیالات کی نیرنگیوں سے کیجئے تو آپ کو اس قومی انحطاط اور اخلاقی زوال کا اندازہ ہوگا جو مسلمان قوم میں نظر آرہا ہے۔اور روز بروز سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے ۔یہ مسلمانوں کی زندگی کا وہ تاریک پہلو ہے جس کو دیکھ کر ایک حساس مسلمان کا دل خون ہوتا ہے۔اور وہ اس تلخ نوائی پر مجبور ہوجاتا ہے جو اس کے لئے اور پڑھنے والوں کے لئے کوئی خوشگوار چیز نہیں۔

اخلاق وسیرت اس امت کے نظامِ جسم میں قلب کا درجہ رکھتے ہیں ۔لوگ تنومند وفربہ جسم کو دیکھ کر اس جسم کی صحت وطاقت کا حکم لگا دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قلب کس قدر کمزور اور ماؤف ہے اور کس طرح بتدریج اس کی حرکت بند ہورہی ہے ۔مسلمانوں کی ترقی کا اندازہ مردم شماری کے اعداد ان کے قومی جوش ،ظاہری تنظیم اور سرکاری عہدوں کے تناسب سے لگانا بالکل غلط ہے ۔ایک بااصول دنیا کے لئے ایک پیغام رکھنے والی اور اخلاق وسیرت میں دنیا کی تمام قوموں کے لئے معیار بننے والی امت کی پیمائش کا ہرگز یہ صحیح پیمانہ نہیں ۔ضرورت ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اخلاق واوصاف جو زندگی کے صحیح عناصر ہیں اور جن سے اس امت کا تشخص وامتیاز ہے وہ روبہ انحطاط ہیں یا روبہ ترقی اور اس کا اندازہ سرکاری کاغذات سے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مسلمانوں کی عام زندگی اور ان کے اقوال وافعال سے ہوسکتا ہے۔بقول اکبر مرحوم ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

عالمگیر اور اصولی حریف سے غفلت

(۲) قدیم ترین زمانے سے دنیا میں دو مقابل دعوتیں پائی جاتی ہیں ۔ایک پیروی نفس اور انسان کی مکمل آزادی اور غیر ذمہ داری کی دعوت (اگرچہ اس میں صدہا قسم کی خامیاں شامل ہیں) دوسرے انسان کی عبدیت ،اس کی خدا کے سامنے ذمہ داری وجوابدہی اور وحی وتعلیمات پیغمبر کی پیروی کی دعوت ،پہلی دعوت کا نام اسلام کی وسیع اصطلاح میں جاہلیت اور دوسری دعوت خود اسلام کی ہے۔ان دونوں دعوتوں کی دنیا کی مختلف جماعتیں اور قومیں اپنے اپنے وقت میں علمبردار رہیں ۔ساڑھے تیرہ سو برس سے دوسری دعوت (اسلام) کی امامت قیامت تک کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کے نام لکھ دی گئی اور پہلی دعوت

کی قیادت وقتاً فوقتاً دنیا کی مختلف قومیں اور تہذیبیں کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ تقریباً دوسو برس سے تقدیر الٰہی نے اس کی قیادت وامامت کا فیصلہ یورپ کی عیسائی قوموں کے حق میں کیا، اس وقت سے مسیحی (لیکن دراصل مادی) یورپ نے جاہلیت کی عالمگیر نمائندگی اور ایسی طاقت واسلحہ کے ساتھ اس کی قیادت کی کہ اس سے صدیوں پہلے سے ہمارے علم میں کسی قوم نے نہیں کی تھی۔ طبعی طور پر زندگی کے ہر شعبے اور تمدن دنیا کے تقریباً ہر میدان میں ان دونوں مقابل دعوتوں اور قوموں کے نمائندوں اور علمبرداروں کا تصادم پیش آیا لیکن مختلف علمی وذہنی اور سیاسی اسباب کی بنا پر جن کی وضاحت بہت تفصیل طلب ہے دوسری دعوت (اسلام) کے نمائندوں نے محض اپنی کمزوریوں کی بنا پر یورپ کے مقابلہ میں شکست کھائی، ان کے اعلیٰ درجہ کے سرسبز اور اہم ممالک ان کے ہاتھوں سے نکل کر یورپین قوموں کے قبضے میں چلے گئے، ان کا عالمگیر سیاسی اقتدار ختم ہوگیا، سمندروں اور خشکی پر سے ان کا تفوق اٹھ گیا، ان کی بین الاقوامی ساکھ جاتی رہی اور دنیا کے ہر حصہ میں اور خود اپنے ممالک میں بدترین قسم کی غلامی اور قومی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے دماغ میں بھی مفتوح اور غلام ہونے لگے مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب پر حملہ کیا مسلمانوں کے قومی اوصاف اور اخلاقی محاسن جو ان کی سلطنتوں اور شاداب ملکوں سے زیادہ بیش قیمت تھے ایک ایک کر کے مٹانے شروع کئے اور ان کی جگہ بدترین انسانی عیوب اور اخلاقی کمزوریاں، جو بت پرست یونان وروم اور تاریک یورپ اور ملحد نشأۃ ثانیہ سے اس کے حصہ میں آئی تھیں ان پر مسلط کر دیں، پھر انہوں نے مفتوحوں کے دین وایمان پر حملے شروع کئے ان کی دینی تعلیمات اور ان کے اصول واحکام شریعت کا استہزا کیا ان کو بسا اوقات تثلیث پرست اور بعض اوقات ملحد وبے دین بنانے کی کوشش کی اور ان میں خود بڑی تعداد میں ایک ایسی بااثر جماعت پیدا کر دی جو ان کے دین ومذہب سے باغی تھی اور جو اندر اندر ان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں تھی، غرض فاتح نے مفتوح کو ہر طرح سے غیر مسلح غیر منظم اور ناتواں کر دیا اور اس کے ہر سرمایہ اور ملکیت کو تاوان جنگ یا مال غنیمت میں وصول کرنے کی کوشش کی۔ فاتح نے اپنی ذہانت اور دور بینی سے اس حقیقت کا پورے طور پر ادراک کیا کہ اس زمین کے اوپر مسلمانوں سے بڑھ کر اس کا کوئی حریف نہیں اس لئے یا تو اس نے اس حریف کا سر کچلنے کی کوشش کی اور جہاں اس سے یہ نہ ہوسکا وہاں اس نے اس حریف کو اپنا مستقل حلیف اور بدرجہ مجبوری بے ضرر خادم بنانے کی کوشش کی۔

یورپ کی قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اس مکمل شکست، اس مغلوبیت وذلت اور اس نقصان عظیم کا جوان کو پہنچا طبعی ونفسیاتی اثر کیا ہونا چاہئے تھا؟ ہر صحیح الفطرت، انسان کہے گا کہ مسلمانوں کے دل میں یورپ کی قوموں کی طرف سے سخت عناد اور جذبہ اُنتقام پیدا ہونا چاہئے تھا اور ان کو بھی ان قوموں کو اپنا مستقل حریف، حقیقی مدمقابل اور عالمگیر دشمن سمجھنا چاہئے تھا، اور اس کی کوشش کرنی چاہئے تھ کہ وہ مقابل دعوت کی عالمگیر نمائندگی کی طاقت سے محروم ہوجائے اور اس کا اقتدار اس حد تک ختم ہوجائے کہ اس کی تحریک ودعوت میں کوئی کشش اور کمزور انسانوں کے لئے کوئی کشمکش باقی نہ رہے اور دنیا میں دو دعوتیں برابر باقی نہ رہیں۔ بلکہ صرف ایک دعوت رہے اور وہ ہے دعوت الی اللہ ——

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

یہاں تک کہ فتنہ (کفار کا غلبہ) باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کا ہوجائے۔

ان کی دعا یہ ہونا چاہئے تھی۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸

اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو آرائش اور دولتیں بخش رکھی ہیں اے ہمارے پروردگار اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ تیرے راستے سے لوگوں کو بھٹکائیں ۔اے ہمارے پروردگار! ان کی دولتوں کو نیست ونابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

ان کو دنیا کے ہر حصہ میں یوروپین تہذیب اور یوپین طاقت کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے تھا کہ وہ دنیا میں جاہلیت کی علمبردار ہے اور اس کی قوت کی وجہ سے دعوت الٰہی کو فروغ نہیں ہوتا ان کی نگاہ میں

دنیا کا سب سے اہم مسئلہ یہی عالمگیر مسئلہ ہونا چاہئے تھا اور ہر مسئلہ اسی مرکزی مسئلہ کا جز ہونا چاہئے تھا، ان کو ہر ملک میں اپنے کو دعوت اسلام کا عالمگیر نمائندہ سمجھنا چاہئے تھا اور ہر ملکی قومی سیاسی مسئلہ پر اسی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہئے تھا اور وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے تھا جو اس عالمگیر دعوت کے نمائندوں کے شایان شان ہے ان کو کوئی ایسا موقف اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا جس سے اس عالمگیر حریف اور اس جاہلی تحریک و دعوت کو کسی قسم کی تقویت و امداد حاصل ہو، خواہ محدود ملکی مسائل اور وطنی مصالح کا تقاضہ کچھ ہو۔ ان کو کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا جس سے اس نظام کی طرف ان کا میلان اور اس کے علمبرداروں کے ساتھ ان کا اتحاد اور محبت ظاہر ہو۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تم کو بھی آگ لگ جائے گی اور اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور کسی طرف سے تمہیں مدد نہ مل سکے گی۔

لیکن کس قدر حیرت و تأسف کا مقام ہے (وہ تأسف و تحیر جو بقول حضرت علیؓ قلب کو مردہ دماغ کو معطل اور غموں اور فکروں کو بڑھا دیتا ہے) کہ یہ عظیم الشان حقیقت مسلمانوں کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوگئی ہے یہ مسئلہ اپنی اس مرکزیت اور عمومیت کے ساتھ ان کے ذہن سے صاف نکل گیا ہے۔ اپنی اور اپنے تاریخی اور مستقل عالم گیر حریف کی یہ صحیح پوزیشن ان کی نظر سے بالکل مخفی ہے دوسو برس کی خونچکاں تاریخ جو فتح و شکست اور واقعات و حوادث کا مرقع ہے ان کے حافظہ سے بالکل محو ہوگئی۔ وہ اس حقیقت کو واقعی بھول گئے ہیں کہ وہ اور مغربی قومیں دو مقابل دعوتوں، دو متضاد نظام حیات اور دو متضاد تہذیبوں کے علمبردار ہیں اور اس طرح ایک ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ جس قدر ایک نیچا ہوگا دوسرا اونچا ہوگا۔ ان میں سے ہر دعوت کے علمبرداروں کا وجود ان کا فروغ اور ان کی طاقت دوسری دعوت کے علمبرداروں کے لئے ایک مستقل مزاحمت ایک مسلسل خطرہ اور ایک مستمر کشمکش ہے۔ اس امر واقعی کا اہل مغرب کو پورا شعور ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں، اس حقیقت کو قرآن حکیم نے کس صراحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۙ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

اے ایمان لانے والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم انکی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو اور دوستی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے اس کے وہ منکر ہیں اور رسول اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو جلاوطن کرتے ہیں اگر تم میرے راستے پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلے ہو تو ان سے تمہیں دوستی نہ رکھنی چاہئے۔ تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھے ان سب چیزوں کا اچھی طرح علم ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو وہ کھل کر تمہارے دشمن ہو جائیں اور تمہاری طرف برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔

اس موقع پر ایک مسلمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہئے اور اس کے ایمان اور غیرت دینی کا کیا تقاضا ہے؟ اس کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے متبعین کا نمونہ پیش کیا گیا ہے ایک ہی آیت کے بعد کہا گیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ

تمہارے لئے ابراہیم اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان میں عمدہ نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اہل کفر کو تو اس فرق واختلاف کا احساس ہو اور اپنے دین ومسلک

کے لئے محبت وغیرت زیادہ ہواور وہ اپنے مخالفین سے کبھی اتحاد موالات کے لئے تیار نہ ہوں مگر اہل ایمان ذراسی مصلحت سے ان کے ساتھ موالات کرنے لگیں اس فرق کو بھی قرآن نے بیان کیا ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ	ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو مگر وہ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے۔
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ	تم سے یہودی اور عیسائی اس وقت تک راضی نہیں ہوسکتے جب تک تم ان کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہوجاؤ۔

اس تفصیل ووضاحت کے ساتھ نہ سہی لیکن اجمالی طور پر مسلمانوں کے دلوں میں اب سے کچھ مدت پہلے تک بے دین ولا مذہب یورپ اور اس کے حیوانی تہذیب ونظام کے لئے نفرت موجود تھی۔ کافر فرنگی نفرت وحقارت کے لئے ضرب المثل تھا لیکن ہم کو اس حقیقت کا برملا اظہار کرنا چاہئے کہ اس چالیس برس کے عرصے میں مغربی تعلیم وتہذیب نے بتدریج اس نفرت کو کم کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ نفرت کے بجائے رغبت پیدا کردی اس تبدیلی کی پوری ایک تاریخ ہے پہلے اس نے مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کیا، مغرب کا بالعموم تفوق ذہن پر قائم کیا۔ اس کا پورا نظام نہایت خوشنما اور آراستہ کرکے دکھایا۔ پھر اس کی محبت کو قلب ودماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیا کہ تعلیم یافتہ مسلمان کے لئے اس سے انحراف مشکل ہوگیا۔ یہاں تک کہ سیاسی طور پر اگر اس کو اس سے اختلاف بھی ہوتو ذہنی اور تہذیبی حیثیت سے اس کا رابطہ اس سے قائم رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ مسلمان کی ذہنیت اتنی تبدیل ہوگئی کہ اس کو دنیا میں اگر کوئی حلیف اور سرپرست نظر آتا ہے تو صرف یورپین طاقت! اس نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کرلیں جو روز روشن کی طرح ہے کہ اس کا اصلی اور عالمگیر حریف جس سے پہلی صدی ہجری سے اس چودھویں صدی ہجری تک مسلسل معرکہ آرائی رہی اور جو دنیا کی قیادت اور اس کی تعمیر نو میں اس کا اصلی رقیب اور مزاحم ہے وہ یورپ ہے۔ اس نے اس نکتہ کو بالکل نہیں سمجھا کہ جب تک یورپ کا سیاسی اقتدار دنیا میں قائم ہے۔ اس وقت تک دین کی دعوت پورے طور پر سرسبز نہیں ہوسکتی اور اس میں وہ طاقت اور جذب وکشش نہیں پیدا ہوسکتی۔ جس کی وہ مستحق ہے۔ جب تک یورپ تنہا دنیا کے لئے مقتدا ہے اور پیشوا ہے اس وقت تک انسانی محاسن وفضائل اور اسلام کے معیار اخلاق کو فروغ نہیں ہوسکتا اس لئے اسلام کی اور بالتبع انسانیت کی عین مصلحت یہ ہے کہ یورپ کو منصبِ قیادت سے معزول کرنے کی کوشش کی جائے اور چونکہ مسلمان ہی دنیا کے اخلاق اور صلاح وفساد کے ذمہ دار ہیں اور وہی دنیا کے محتسب ہیں اس لئے یورپ کو اس منصب سے ہٹانا تنہا ان ہی کا فریضہ

ہے اور یہ مسلمانوں ہی کا منصب ہے کہ یورپ کو رہنمائی وسرداری کے مقام سے ہٹا کر زمام قیادت خود سنبھالیں۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمان ان مسائل پر اس نقطۂ نظر سے غور ہی نہیں کرتے اور ان کو اپنی صحیح حیثیت یاد ہی نہیں وہ یورپ کو پورے طور پر بے نقاب ہونے کے بعد بھی پہچان نہیں سکے ان کی نظر اب بھی محدود اور کوتاہ ہے اور وہ قومی مصلحتوں اور محدود جغرافی مسائل میں اس عالمگیر ضرورت کو بھولے ہوئے ہیں۔ اور وہ بہترین فرصت ضائع کر رہے ہیں جو تاریخ میں صدیوں میں پیش آتی ہے۔

بے عملی و بزدلی

(۳) مسلمانوں پر اس وقت ایک نظر ڈالنے سے ایک عام ذہنی و نفسی کیفیت نظر آتی ہے۔ جسے پورے طور پر الفاظ میں ادا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شاید قریب تر الفاظ یہ ہوں کہ ''کچھ کئے بغیر سب کچھ پا جانے کی خواہش''۔ گویا استعارہ کی زبان میں مسلمان بیٹھے بیٹھے شطرنج کی ایسی چال چلنا چاہتے ہیں کہ دفعتاً بازی مار لیں، اس میں شک نہیں کہ مسلمان سیاست میں دیر میں آئے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے سیاست کا مفہوم محض انجمن آرائی تجاویز کی منظوری، اظہار رائے اور زیادہ سے زیادہ اظہار ناراضگی سمجھا۔ جس سیاست کی بنیاد آج سے ۳۰۔۴۰ سال پہلے پڑی تھی اس کا مزاج اور خمیر تمام تر یہی تھا۔ بلکہ درحقیقت یورپ میں بھی اس وقت (جب انتخابی اور جمہوری زندگی کا آغاز تھا) سیاست کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر اس کے بعد سے تمام دنیا کے حالات بہت سرعت کے ساتھ بدل گئے اب سیاست کا نام جدوجہد اور ایثار و قربانی کا ہے۔ مگر مسلمانوں میں تبدیلی بہت دیر میں واقع ہوتی ہے اور عجیب بات ہے کہ ان کا سب سے زیادہ بدلنے والا طبقہ سب سے کم بدلنے والا ہے۔ اور سب سے زیادہ متحرک اور ترقی پسند جماعت سب سے زیادہ جامد اور ساکن واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ تحریک خلافت کے چند سالوں کو مستثنیٰ کر کے مسلمانوں کی پوری سیاسی تاریخ محض جلسوں تقریروں، تجاویز بیانات، وفود اور یاددہانیوں (میمورنڈم) کی روداد ہے انہوں نے مغربی سیاست کا جو سبق یاد رکھا ہے وہ صرف یہ کہ سیاست نام ہے دماغی ذہانت، قانونی قابلیت، سیاسی حاضر دماغی اور حسنِ تقریر کا۔ لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ یہ مجلسی (پارلیمنٹری) سیاست کے لئے تو مفید ہے مگر خارجی اور عملی سیاست اور انقلابی جدوجہد کچھ اور چاہتی ہے۔

اس تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتنی ذہنی پستی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ شماتت (دشمن کی مصیبت

پرخوشی) پراتر آتے ہیں ۔تربص دوائر (گردش زمانہ کا انتظار)ان کا شیوہ ہوگیا ہے۔اخلاقی طاقت اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ وہ دوسروں کی جرأت وجانبازی اور ایثار وقربانی کا اعتراف بھی نہیں کرسکتے اور اس کے ماننے کے لئے بھی تیار نہیں کہ کوئی قوم کسی صحیح یا غلط مقصد کے لئے کوئی قربانی کررہی ہے چہ جائے کہ ان میں اس سے اپنے صحیح اور بلند مقصد کے لئے جدوجہد اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو۔

یہ صورت حال بھی تشویش کی باعث ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں پر اپنی کمزوری اور ناتوانی کا احساس اتنا طاری کردیا گیا ہے کہ وہ اپنے کو کسی جدوجہد اور قربانی کا اہل نہیں سمجھتے اور کسی قسم کے خطرات کے لئے قطعاً تیار نہیں ۔انہوں نے یقین کرلیا ہے کہ مسلمان خربوزے کی طرح ہیں ۔جس کے لئے ہر حال میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔اس لئے نہ وہ چھری پر گرنے کو تیار ہیں اور نہ چھری کو اپنے اوپر گرنے دینا چاہتے ہیں ،نیز ان کو دوسری طاقت پر اعتماد کرنے کا ایسا عادی کردیا گیا ہے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرنے اور اعتماد علی النفس کی دولت سے محروم ہوتے جارہے ہیں ۔یہ صورت حال وقتی اور عارضی نہیں ہے ۔اندیشہ ہے کہ کہیں ان حالات میں مسلمانوں کی مجاہدانہ روح اور ان کا جذبہ سرفروشی ایک مدت طویل کے لئے سرد نہ ہوجائے اور وہ توکل علی اللہ اور پھر اعتماد علی النفس کے جوہر سے محروم نہ ہوجائیں ۔یہ مسلمانوں کا اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس کی تلافی آسانی سے ممکن نہ ہوگی ۔

مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوسی اور اعتماد علی الغیر ،اپنی کمزوری کا ضرورت سے زیادہ احساس اور دوسروں کی طاقت کا ضرورت سے زائد اندازہ ،اور اقلیت واکثریت کے مسائل سے شب وروز کا یہ انہماک ،انگریزی تعلیم وتہذیب اور مغربی سیاست کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کو ایک جامد قوم دیکھنے کی عادی ہے اور جو اعداد کے طلسم سے کسی طرح نکل نہیں سکتی اور جو ایمان وتوکل کی دولت سے محروم ہے۔اس زہر کا تریاق قرآن وحدیث کی اشاعت ہے ۔جب تک مسلمان کی سیاست قرآن وحدیث پہ مبنی تھی اور اس کے دماغ ودل اور روح پر ان کا اثر تھا۔اس میں اتنا عزم وتوکل اور خدا کے وعدوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس سے خارق عادت واقعات صادر ہوتے تھے ۔محمد بن قاسم فاتح سندھ اور طارق بن زیاد فاتح اندلس کے واقعات کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں ۔قرآن کی آیت :۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

نہ سست پڑو اور نہ غمگین ہو،تمہیں بالا وبرتر ہو اگر تم مومن ہو۔

اور:۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

جن لوگوں کے سامنے رہتی تھیں اور ان کا اس پر ایمان تھا انہوں نے مٹھی بھر جماعتوں سے ملکوں کو فتح کرلیا اور وہاں کی تہذیب، زبان و معاشرت کو بالکل بدل دیا۔ آج بھی صرف قرآن وحدیث کی اشاعت ہی مسلمانوں میں اعتماد اور قلب کی طاقت پیدا کرسکتی ہے۔

صحابہ کرام اور مجاہدین اسلام کے حالات وواقعات کی اشاعت بھی اس نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے خصوصاً ماضی قریب کے عالی ہمت مجاہدین کے سوانح وحالات مثلاً حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، شیخ سنوسیؒ، محمد عبدالکریم ریفی نے قریب تر ماضی میں نہایت قلیل طاقت اور رفقاء کی بہت تھوڑی تعداد کے ساتھ بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کیا۔ اور ایمان کی طاقت اور عزم وتوکل کا اعلیٰ مظاہرہ کیا۔ جو لوگ سیاسی تحریکوں سے ہٹ کر مسلمانوں میں تعمیری اور تعلیمی کام کررہے ہیں ان کو اس ضرورت کی طرف جلد متوجہ ہونا چاہئے کہ یہ مسلمانوں کی کسی سیاسی خدمت سے کم اہم کام نہیں ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کی سیاست کی صحیح بنیاد ہے اور اسی پر ان کے مستقبل کی تعمیر ہوگی۔

غیر مشروط اطاعت

(۴) مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جوہر جس نے کسی غلط چیز کو عام طور پر مسلمانوں پر مسلط ہونے سے روکا اور قیادت کی کسی کمزوری سے یا شخصی رائے اور فیصلہ کی غلطی کی وجہ سے ان کو ہلاک ہونے سے محفوظ رکھا۔ وہ ان کی آزادیٔ رائے اور آزادی ضمیر کا جوہر یا غلط چیز سے انکار کردینے کی طاقت اور شریعت کا یہ زریں اصول تھا کہ۔

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت صحیح نہیں۔

اسی کا مظاہرہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو برسر منبر ایک بڑھیا اور عرب کا ایک بدو ٹوک دیتا تھا اور اس کے سامنے وہ سر جھکا دیتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی شخصی سلطنت کے بڑے سے بڑے دور استبداد و جبر میں بھی مسلمانوں کی آزادیٔ رائے کبھی سلب نہیں ہوئی اور بادشاہوں کے غلط فیصلوں اور خلفاء کی غلطیوں کے خلاف علمائے وقت نے ہمیشہ آواز بلند کی جس سے دین وشریعت اور مسلمانوں کے عام مزاج و طبائع میں تحریف نہیں ہوسکی۔ حضرت عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام مالک،

امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل کے واقعات تاریخ اسلام میں روشن رہیں گے۔

اسلام میں مطلق وغیر مشروط اطاعت صرف اللہ ورسول کی ہے۔ باقی کسی انسان کی اطاعت غیر محدود اور غیر مشروط نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک وہ اللہ ورسول کی اطاعت کرتا ہے کسی خلاف شریعت فیصلہ او رکسی ایسے حکم کی تعمیل میں جس سے دین اور امت کو یقینی طور پر نقصان پہنچتا ہو اطاعت جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجاہدین کی ایک جماعت پر ایک صحابی کو سردار بنایا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور تعمیل حکم کی تاکید کی۔ راستہ میں سردار کو اپنے ساتھیوں سے کچھ شکایت پیدا ہوگئی۔ اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو، پھر اس میں آگ لگائی اور الاؤ تیار کیا۔ پھر لوگوں سے کہا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت وتعمیل حکم کی تاکید نہیں کی تھی؟ لوگوں نے اقرار کیا، اس نے کہا تو پھر میرا حکم ہے کہ اس آگ میں کود پڑو۔ لوگوں نے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ خودکشی حرام ہے۔ اور فعل حرام میں آپ کی اطاعت ہمارے لئے ضروری نہیں۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے لوگوں کے کام کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ اسی میں رہتے۔ لیکن اب چند سالوں سے مسلمانوں میں سیاسی شخصیت پرستی اس درجے کو پہونچ گئی ہے کہ وہ اپنے قائدوں کے احکام اور فیصلوں کی کسی قسم کی تنقید کے لئے تیار نہیں اور ہر غلط اور صحیح حکم کی تعمیل اور اس کی توجیہ وتاویل اپنا اسلامی فریضہ سمجھنے لگے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قائد کے احکام کی تعمیل بھی ضروری ہے اور مسلمانوں میں رائے واختلاف کی آزادی بعض دور میں بے اعتدالی اور فوضویت (انارکی) یا خارجیت کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن جب قائد مسائل اسلامیہ میں اعلیٰ بصیرت اور رسوخ نہ رکھتا ہو اور سیاست اسلامی میں تقویٰ وتدین کے ساتھ تفقہ واجتہاد کی قابلیت اس کو حاصل نہ ہو اس وقت اپنے کو کَالْمَیِّتِ فِیْ یَدِ الْغُسَّال (مردہ بدست زندہ) کے طور پر اس کے حوالے کردینا صحیح نہیں ہے۔ اور بڑے عظیم دینی وسیاسی خطرات کا باعث ہے۔

ابتذال واشتعال

(۵) یہ چند کمزور پہلو ہیں جو ہم کو اس وقت کم سے کم ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی سیرت میں نمایاں نظر آتے ہیں اور جو سیاسی جماعتوں اور مسلکوں کی حمایت یا مخالفت کے جذبہ سے بالکل علیحدہ ہوکر پیش کئے گئے ہیں ان کا محرک اسلامی احساس اور دردِ دل کے سوا کچھ نہیں۔ اسلامی جرائد ورسائل سے

گزارش ہے کہ وہ اس مضمون کو بجنسہ یا اختصار کے ساتھ شائع کر کے ایک بڑی اسلامی خدمت انجام دیں یا ان مقاصد و معروضات کو (خواہ کچھ تنقید اور اختلاف کے ساتھ) اپنے طور پر اپنے الفاظ و مضامین میں پیش کریں۔

صحیح تعلیم اور اخلاقی و ذہنی سیاسی تربیت کی کمی اور خود غرض اور جاہ طلب رہنماؤں کی ناعاقبت اندیشی اور بے ضرورت اشتعال انگیزی کی وجہ سے نیز صحافت و سیاست و ادب کی پستی اور سوقیانہ طرز تحریر کی وجہ سے ایک عرصے سے ابتذال و اشتعال ہندوستانی مسلمانوں کا عام مزاج بن گیا ہے۔ حالات کی معمولی سی تبدیلی اور خفیف سی ناراضگی کے موقع پر دماغی توازن کھو دینا اور ضبط و اعتدال اور انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا اور ہر اختلاف میں مخالفت کی عامیانہ اور ادنیٰ سطح پر اتر آنا۔ اور اختلاف رائے رکھنے والوں کی مذمت اور ہجو میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا اور لغت کا وہ سارا ذخیرہ جس کو میر جعفر زٹل اور سودا نے بھی ہاتھ نہیں لگایا بے تکلف استعمال کر دینا ایک قومی شعار بن گیا ہے ان آخری چند برسوں میں کتاب و شریعت اور اسوۂ رسول رکھنے والے مسلمانوں نے جو وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ○ (لوگوں کی دشمنی تمھیں اس پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو انصاف کرو وہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔) اور ولا تنابزوا بالالقاب (اور ایک دوسرے کو برے لقب سے نہ پکارو) کے مخاطب تھے۔ ابتذال و اشتعال اور باہمی اہانت و تذلیل کا وہ نمونہ پیش کیا ہے جو تمام عیوب و نقائص کے باوجود یورپ کے جاہلی اور منکر خدا قوموں اور ہندوستان کے خدا ناشناس اور آخرت فراموش ہندوؤں میں بھی نہیں مل سکتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا ایک سبب صحیح تعلیم کی کمی اور اخلاقی و ذہنی و سیاسی تربیت کا افسوسناک فقدان ہے۔ جو لوگ سیاسی تلاطم اور طغیانیوں کی وجہ سے سطح پر آ گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر تہذیب یافتہ، مشتعل مزاج اور دینی تعلیمات سے محروم ہیں۔ قوم بھی عرصۂ دراز سے دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت سے محروم چلی آ رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس بارے میں مزاجوں کا پورا توافق ہے اور متاع کارواں کے ساتھ کارواں کے دل سے احساس زیاں بھی رخصت ہو رہا ہے۔

آج ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں سیاست و قومیت کی جو اہمیت اور ان کے قلب و دماغ اور اعصاب پر سیاسی حالات و اختلافات کا جو اثر ہے اس سے زیادہ گزشتہ دور میں مسلمانوں کی زندگی اور ان

کے قلب ودماغ پر دینی مسائل واختلاف کا اثر رہ چکا ہے سیاسی مسلکوں اور جماعتوں نے ان کی زندگی اور دلچسپیوں میں ابھی اتنی وسیع جگہ نہیں گھیری اور اتنی سنجیدگی اور گہرائی نہیں حاصل کی جتنی اس دور کے بعض معرکۃ الآراء مسائل کو حاصل رہ چکی ہے۔علمی ودرسی حلقے انہیں مباحث ومناظروں سے گرم تھے۔گھروں میں چرچے تھے۔مجلسوں میں یہی تذکرے۔لیکن اس وقت کا پورا علمی ذخیرہ ہمارے سامنے ہے اور وہ شہادت دیتا ہے کہ انہوں نے کبھی ضبط واعتدال کا اور ثقاہت ووقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور رکاکت وابتذال کی اس سطح پر نہیں آئے جس سطح پر اس وقت کے بلند پایہ اہل سیاست آچکے ہیں۔

اس سلسلے میں سیاسی رہنماؤں پر بڑی ذمہ داری ہے ان میں سے ایک جماعت قومی جوش اور کسی سیاسی مسلک وخیال کی حمایت میں اور ایک جماعت محض اپنے ذاتی اغراض وجاہ واعزاز کے لئے اپنی حریف جماعت یا قیادت کو نیچا دکھانے کے لئے بڑی بے دردی کے ساتھ عوام کے جذبات اور ملک کی صحافت کو استعمال کرتی ہے۔اور قوم کے اعصاب کو بے جان ڈوریوں کی طرح کھینچتی اور ڈھیلا کرتی رہتی ہے۔موقع بے موقع اشتعال وہیجان پیدا کر کے عوام کے ہاتھوں اپنے مخالفوں کی تذلیل واہانت کرا کے اخبار نویسوں کے قلم سے اور مقرروں کی زبان سے ہجو وطنز کے متبذل اور اشتعال انگیز الفاظ استعمال کرا کے قومی مزاج و مذاق کے بگاڑ کا سامان کرتی ہے۔اور نادان وبے تربیت قوم کے فرزندوں کے ہاتھ میں گویا دھار دار اور خطرناک اوزار دیتی ہے جن کے متعلق یہ کبھی اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کب اور کس موقع پر ان کو استعمال کریں گے یہ حضرات وقتی جوش میں اس بات کو بالکل بھول جاتے ہیں کہ دوسرے وقت جب یہ عوام (جن کا ہمیشہ راضی رکھنا بہت مشکل ہے) ان سے ناراض ہوجائیں گے تو یہ سارے حربے اور الفاظ کا یہ سارا ذخیرہ ان کے خلاف صرف کریں گے۔

ان حضرات سے اس قومی جوش میں دو بڑی مہلک غلطیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ یہ ہر اختلاف رائے کی گنجائش ختم کر دینا چاہتے ہیں۔اور بجبر وبزور قوت ایسے مسائل میں جن پر کفر وایمان وہلاکت ونجات کا انحصار نہیں ایک نقطہ پر لے آنا چاہتے ہیں یہ فسطائیت اور خارجی ذہنیت اپنی حیثیت سے بھی ایک فتنہ ہے۔اور اس لحاظ سے بھی ایک خطرہ ہے کہ اس سے امت سے فکری استقلال اور اجتہاد وتنقید کی قوت سلب ہوتی ہے اور ملت پر ایک ذہنی جمود اور بے شعور تقلید کی فضا طاری ہوجاتی ہے ایسے جبری اور غیر طبعی وحدت خیال کی صورت میں اگر غلطی ہوجائے تو پھر قوم کی کشتی کو ڈوبنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔کہ صرف ایک

ناخدا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اشخاص جو ناخدائی کی صلاحیت رکھتے ہیں دست و پابستہ اور پنبہ بہ دہن ہوتے ہیں ،جو نہ بول سکتے ہیں نہ ہاتھ پاؤں چلاسکتے ہیں ۔امت مسلمہ کی راہ یقیناً نہ انتشار وفوضویت (انارکزم) کی راہ ہے نہ جبریت وفسطائیت (فیشزم) کی راہ۔

دوسری خطرناک غلطی یہ ہورہی ہے کہ عوام کو غلط فہمی ہوتی جارہی ہے کہ ان کی رائے اور خواہش اصل اور معیار ہے اور خواص اور اہل علم واہل دین کو بھی اسی کے مطابق چلنا چاہئے وہ رہنماؤں ،علماء اور اہل فکر کو اپنی رائے اور خواہشات کے مطابق چلانا چاہتے ہیں اور جو اس میں ذرا بھی تامل کرے اس کے لئے وہ بڑی سے بڑی سزا تجویز کرتے ہیں جو قرون وسطیٰ کا محکمہ احتساب (انکویزیشن) اپنے نزدیک ملاحدہ اور آزاد خیالوں کو دیا کرتا تھا۔ یہ عوام چاروناچار مقتدی بن جاتے ہیں ۔مگر مولانا محمد علی مرحوم کے بقول مقتدی بن کر نماز خود پڑھانا چاہتے ہیں اس غلط روی کی وجہ سے قومی ومذہبی زندگی میں جو ابتری وبے نظمی اور انتشار پیدا ہوگا اس کا تصور کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سب سے بڑی ذمہ داری صحافت پر ہے صحافت قوم کی سب سے بڑی امانت ہے جس کے لئے بڑی خدا ترسی اور تربیت واہلیت اور فنی قابلیت شرط ہے۔ گزشتہ دور میں مصاحبوں اور ندیموں اور مشیروں اور وزیروں شاعروں اور بذلہ سنجوں اور ہمدم ودم ساز رفیقوں اور دوستوں کو مزاجوں میں وہ درخور اور دل ودماغ پر وہ دست رس حاصل نہیں تھی جو اس وقت اخبار نویسوں کو قوم کے مزاج اور مذاق پر حاصل ہے شاعری، ادب وخطابت، وعظ واحتساب کی ساری طاقتیں صحافت کی طرف منتقل ہوگئی ہیں ۔اگر یہ صحیح ہاتھوں میں ہے تو پوری قوم کے مزاج اور مذاق کی اصلاح تصورات کی تصحیح اور اخلاقی تربیت اور ذہنی ترقی کے لئے اس سے زیادہ مؤثر ومفید اور اس سے زیادہ وسیع اور عمومی راستہ نہیں اور اگر غلط ہاتھوں میں ہے تو اس زہر کا تریاق نہیں۔

بدقسمتی سے بہت سے لوگوں نے صحافت کا پیشہ اختیار کرلیا ہے جن میں نہ دینی واخلاقی اہلیت ہے نہ فنی استعداد، اصول وکردار کے لحاظ سے قطعاً غیر ذمہ دار، فن کے لحاظ سے خام نومشق اور ناآزمودہ کار، زبان وادب کا معاملہ اہل زبان کے لئے بھی اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جارہا ہے۔ محض الفاظ کی نشست ادب وصحافت نہیں ۔مناسب الفاظ کو مناسب محل پر استعمال کرنا اور الفاظ کا انتخاب بڑی مشق اور زبان کی قدرت کا طالب ہے ۔ ہر زبان میں الفاظ کے لئے بھی مدارج اور گویا درجہ حرارت وبرودت ہے ۔بعض الفاظ

روزانہ اور ہر موقع پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ بعض الفاظ کے صحیح استعمال کی برسوں میں نوبت آنی مشکل ہے وہ ایسے مواقع کے لئے وضع ہوئے ہیں جو شاذ و نادر پیش آتے ہیں اور ایسا اثر پیدا کرتے ہیں۔ جو اہم نتائج پیدا کرتا ہے۔ عام اور معتدل حالات کے لئے علیٰحدہ الفاظ ہیں۔ غیر معمولی اور انتہائی صورت حال کے لئے علیٰحدہ الفاظ ہیں۔ نومشق اخبار نویس یا مشتعل مزاج ادیب پہلے ہی موقع پر وہ آخری اور انتہائی الفاظ استعمال کر دیتا ہے جس کو واضعین لغت نے خاص مواقع کے لئے وضع کیا تھا۔ اور ایک ایسی غلطی اور غیر واقعی فضا پیدا کر دیتا ہے جس کا وہ شخص یا صورت حال ہرگز مستحق نہیں جس کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ معمولی غلطی یا معمولی اختلاف کے موقع پر بیزاری اور لعنت کے آخری الفاظ، مدح کے موقع پر عقیدت وعظمت کے وہ القاب جو اپنے پیشواؤں اور اولیاء امت کے متعلق استعمال ہوتے ہیں سیاسی مسلک سے معمولی اختلاف رکھنے والوں کے لئے وہ الفاظ وکلمات جو یزید اور شمر کے لئے بھی اس امت کے محتاط لوگوں نے استعمال نہیں کئے۔ اِن اخبارات کا دن رات کا کھیل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ الفاظ اہمیت اور قوت کھوتے جارہے ہیں۔ اور کم علم ناظرین کا خزانہ معلومات ایسے ہی الفاظ سے بھرتا جارہا ہے اور وہ اپنی تقریروں تحریروں اور زبانی گفتگو میں ان کو بے تکلف استعمال کرتے ہیں اور روزانہ زندگی میں ابتذال واشتعال کا عنصر بڑھتا جارہا ہے۔ اس غیر ذمہ دار، غیر ثقہ اور ناقص صحافت کی وجہ سے بہت بڑی مقدار میں آنکھوں کے راستہ لاکھوں مسلمان ناظرین کے ذہن و دماغ میں، پھر قلب میں اور مزاج و مذاق میں روزانہ اور صبح وشام ایسا اتر تا رہتا ہے جس کا کوئی تریاق نہیں ہوتا گنتی کے چند اخبارات ورسائل اس زہر کا تریاق بہم پہنچاتے ہیں تو قوم کی بدمذاقی ابتذال پسندی اور تفریح طلبی کی وجہ سے ان کو وہ مقبولیت وعمومیت حاصل نہیں جسکے وہ مستحق ہیں۔ یہ مسموم صحافت قلب ونظر کو رفتہ رفتہ ایسا ماؤف کر دیتی ہے کہ کسی سنجیدہ معتدل اور صحیح چیز کو وہ پسند نہیں کرسکتی اور اس کے قبول کرنے اور ہضم کرنے سے وہ مستقل طور پر معذور ہو جاتی ہے بعض اخبارات ورسائل کو اس بارہ میں کمال حاصل ہے کہ کچھ مدت تک ان کو پڑھتے رہنے سے دماغ میں ایک خاص قسم کی ایسی کجی پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی صحیح اور متوازن چیز کے نفوذ کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اور سیدھا سادہ اخبار بین دنیا کو، واقعات کو اشخاص کو اور دینی مسائل واحکام کو اخبار نویس ہی کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔

ادبی رسائل کا حال ان اخبارات سے برا ہے چند سنجیدہ علمی وادبی رسائل کو چھوڑ کر سستے قسم کے کثیر الاشاعت رسائل جو نوجوانوں کے اخلاق اور زندگیوں کو اس سے زیادہ تباہ کر رہے ہیں جتنا طاعون، وو بائی امراض کسی ملک یا بستی میں پھیل کر انسانی نفوس کو تباہ کرتے ہیں۔ یا چنگیز و ہلاکو اپنے مفتوحہ ممالک

میں تباہی و ہلاکت پھیلاتے تھے۔ دنیا نے شاید کبھی ایسا مجرمانہ اور ذلیل تجارت کا تجربہ نہیں کیا ہوگا جیسا کہ اس کا غذی تجارت کا ہو رہا ہے۔ جس کی قیمت قوم کو ماہوار یا ہفتہ وار نوجوانوں کے اخلاق، جذبات اور صحت وزندگی سے ادا کرنی پڑتی ہے۔

بداخلاقی، بدذوقی، عریانی و بے حیائی اور فسق و معصیت کے یہ جراثیم گھر گھر پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئی شہر، قصبہ حتیٰ کہ دیہات پہاڑوں کی چوٹیاں اور چلتی ہوئی گاڑیاں بھی ان سے محفوظ نہیں، بے حیائی کی اشاعت، حیوانی خواہشات و برہنگی کا جوش اور جنون پیدا کرنے اور فسق و فجور کو خوش نما اور دل فریب بنانے اور سنجیدگی و معقولیت و شرافت اور اخلاق کو بے وقعت اور قابل مضحکہ قرار دینے میں ان رسائل نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ آج تک کسی تحریک وقوت کو حاصل نہیں ہوئی۔ اگر قوم میں اخلاقی شعور ہوتا تو وہ ان نامہ سیاہ سوداگروں سے وہ سخت سے سخت محاسبہ کرتی جو سب سے بڑے قومی مجرمین سے کیا جانا چاہئے۔ لیکن وہ الٹی ان کی سرپرستی یا اپنی غفلت سے ان سے چشم پوشی کر رہی ہے۔ اگر کچھ عرصے تک یہی حال رہا تو قوم اخلاق کی اس سطح پر پہونچ جائے گی جس پر فرانس اور یورپ کی بعض دوسری قومیں پہونچ گئی ہیں اور پھر اسلام کی دعوت ونمائندگی تو الگ رہی وہ کسی سنجیدہ اور تعمیری کام اور کسی جدوجہد کے قابل بھی نہیں رہے گی۔

فالیٰ اللہ المشتکیٰ وھو المستعان۔ الفرقان جلد سوم ۱۳۶۵ھ

☆☆☆

تقلید پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

صفحات: ۳۲   قیمت: ۳۰

از: مولانا یحییٰ نعمانی

یہ تقلید کے موضوع پر لکھا گیا ایک آسان اور عام فہم رسالہ ہے، جس میں تقلید کی حقیقت کا بیان اور اس پر بعض لوگوں کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا رد نہایت واضح اور عام فہم انداز میں کیا گیا ہے، جس کو پڑھ کر ایک عام اردو خواں شخص بھی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ:

- فقہی مسائل میں تقلید ایک شرعی وفطری ضرورت ہے، جس کے بغیر ایک عام مسلمان کے لیے دینی احکام پر عمل ناممکن ہے۔
- اسی لیے صحابہ کے عہد سے لے کر آج تک کے لوگ تقلید کرتے آئے ہیں۔
- پوری اسلامی تاریخ میں کسی معتبر عالم نے لوگوں کو تقلید سے نہیں روکا ہے۔
- اہل حدیث حضرات جن علما پر بہت اعتماد کرتے ہیں، جیسے علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے حلقہ کے موجودہ سعودی سلفی علما، وہ سب بھی تقلید کے ضروری ہونے کے قائل ہیں۔
- لہٰذا تقلید کو غلط کہنے والے اور اس کو چھوڑنے کی دعوت دینے والے لوگ ایک ایسی بر خود غلط بات کہہ رہے ہیں جو آج تک کسی معتبر عالم نے نہیں کہی، یہ ایک نئی بات ہے اور اس کے داعی بے سلف ہیں۔

یہ سب کچھ آپ اس رسالہ میں بہت واضح اور غیر جانب دارانہ انداز میں پڑھ سکتے ہیں۔

یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ اب تک اس موضوع پر اتنے آسان اور واضح انداز میں نہیں لکھا گیا تھا، یہ کتابچہ اپنی طرح کا ایک الگ کتابچہ ہے۔ (اس کا ہندی ایڈیشن بھی جلد منظر عام پر آرہا ہے۔)

الفرقان بکڈپو: 114/31، نظیر آباد لکھنؤ 226018 فون: 0522-6535664

خانقاہ نعمانیہ: نیرل۔ (صرف دستی حاصل کرنے کے لئے۔)

مکتبۃ الغزالی (سری نگر کشمیر) مدینہ چوک، گاؤ کدل، سری نگر (کشمیر) 09906912150

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد سلیم قاسمی

بچوں کی پرورش

(تعلیم وتربیت کا خیال)

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

اعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

{رب ھب لی من الصالحین}

گذشتہ کل کے بیان میں یہ بات سمجھائی گئی کہ بچہ کی اچھی تربیت کیلئے مار نہیں، پیار کی Policy (حکمت عملی) بہتر ہوتی ہے اسلئے کہ سزا دینے سے غلطی ختم نہیں ہوتی، بچہ میں غلطی چھپانے کی عادت پکّی ہوجاتی ہے۔ وہ ماں باپ سے غلطی چھپاتا ہے Split Personality (دوہری شخصیت) بن جاتا ہے سزا دینے سے بچہ محتاط ہوجاتا ہے وہ دیانت دار نہیں بنتا So punishment can control misbehaviour but it cannot reduce the desire to misbehave (سزا بچوں کی بدتمیزی کو روک سکتی ہے مگر اس کے مزاج اور اس کی خواہش کو ختم نہیں کرسکتی) مار کے باوجود Misbehave (بدتمیزی) کرنے کی Desire (طبیعت) اسی طرح رہتی ہے ہاں بعض بچوں میں مار کی وجہ سے ردِّعمل کے طور پہ پڑھائی میں دلچسپی ختم ہوجاتی ہے وہ کم grade میں نمبر لیکر ماں باپ کو ستاتے ہیں اور اپنے آپ کو winner (فاتح) محسوس کرتے ہیں، دیکھا! مجھے مارا تھا، اب میں نے آپ کو پریشان کیا نا، گھر کے کاموں میں دلچسپی ختم ہوجاتی ہے، سزا دینے سے بچے کے دل میں بڑوں پر اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔ کچھ عادتیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں، ناخن کاٹنا، برے خواب دیکھنا، رات

میں پیشاب نکل جانا، بچہ کو نیند میں مشکل ہونا، بچہ کے اوپر depression (تناؤ) کی condition (حالت) ہونا، سر درد ہونا، یہ تمام Symptom مار کیوجہ سے بچہ کے اندر آجاتے ہیں، نبی علیہ السلام نے پیار سے بچہ کو پرورش کرنے کی تعلیم دی۔

آج کا topic (عنوان) ہے ''بچہ کی تعلیم وتربیت'' یہ سلسلہ پڑھنے کا بچپن سے شروع ہوتا ہے اور موت تک جاری رہتا ہے، قربان جائیں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر، کہ چودہ سو سال پہلے آپ علیہ السلام نے بتلا دیا (**اطلبو العلم من المهد الى اللحد**) علم حاصل کرو پنگوڑے سے لیکر قبر میں جانے تک، چنانچہ تعلیم پانا بچہ کا بنیادی حق ہے، 1959 میں U.N.O میں ایک resolution (قرارداد) پاس کیا گیا، جس میں یہ کہا گیا کہ ابتدائی تعلیم کا ملنا ہر بچّہ کا basic right (بنیادی حق) ہے اور غور کیجئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے بتلا دیا کہ ''**طلب العلم فريضة على كلّ مسلمٍ ومسلمة**''، تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ تعلیم کا مقصد ہے بچّہ کے دل میں علم کی محبّت ڈالدینا، علم کی جستجو، thirst of knowledge اسکے اندر ڈال دینا، جس بچّہ کے دل میں thirst of knowledge (علم کی پیاس) پڑگئی، گویا اسکو تعلیم بنیادی مل گئی، والدین کا کردار اتنا ہے کہ وہ بچّہ کے اندر علم کی پیاس پیدا کردیں، بچّہ کیلئے تعلیم کو محبوب بنائیں، ماں باپ بچّہ کیساتھ جو وقت گذارتے ہیں، وہ بھی informal education (غیر رسمی تعلیم) کا وقت ہوتا ہے۔ ماں بچّہ کو جو گھر میں پڑھاتی ہے وہ بھی informal education (غیر رسمی تعلیم) کا حصّہ ہوتا ہے اس تعلیم میں استاذ کا کردار کیا ہے؟ استاذ ایک معاون ہے motivator (ترغیب دینے والا) ہوتا ہے، تا کہ بچّہ شوق کیساتھ علم کو حاصل کر سکے، اسمیں ایک بات ذہن میں رکھئے کہ انسان کی جو ذہنی نشونما ہے وہ بہت اہم ہے، اسکو سمجھنے کی ضرورت ہے، آپکے سوچنے کیلئے ایک بات کہ اللہ رب العزت کے یہاں چار کا عدد، اور سات کا عدد یہ بہت significant (اہم) ہے۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنایا دو دن میں، مگر۔۔۔**وبارک فيها في اربعة ايّام**۔ زمین کے اندر جتنے resources (وسائل) پیدا کئے اسمیں چار دن لگے، پھر چار اولوالعزم انبیاء، چار آسمانی کتابیں، چار فرشتے نمایاں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چار خلفاء، جن کو خلفاء راشدین کہتے ہیں، اس امّت کو اللہ تعالی نے چار فقہیں عطا فرمائی، اس امّت کو اللہ تعالی نے چار تصوّف کے سلسلے عطا فرمائے، چار مہینہ بعد ماں کے پیٹ میں بچّہ میں روح ڈالی جاتی ہے، قیامت کے دن چار سوال ہونگے، جسکا جواب دئے بغیر کسی کے پاؤں ہل

نہیں سکتے، پھر نبوت کا اظہار بھی چالیس سال بعد، چار کی multiplication (یہ بھی ۴ ہی کے عدد کا مجموعہ ہے)، موسیٰؑ طور پر گئے تو چالیس روزے، صوفیاء کے یہاں بھی چلّہ روحانی صحت ٹھیک کرنے کیلئے، تبلیغی جماعت میں بھی چلّہ لگواتے ہیں کہ انسان میں دین آجائے، تو چار کا عدد ایک significance (اہمیت) رکھتا ہے، اسی طرح سات کا عدد بھی ایک significance (اہمیت) رکھتا ہے، سات آسمان، سات زمینیں، جہنّم کے سات دروازے، جنّت کے سات درجے، اگر چاند کا rythm دیکھیں تو، چودہ دن، ہر چودہ دن کے بعد چودھویں کا چاند بنتا ہے تو یہ lunar rythm کہلاتا ہے، یوسفؑ کے قصّہ میں سات سال قحط کے اور سات سال پھر اچّھے، پہلے سات سال اچّھے فصل کے، بعد میں سات سال قحط کے آئے، انسانی جسم کے اندر بھی یہ seven کا cycle important (سات عدد کا دورانیہ) ہے، وہ کیسے؟ کہ پیدا ہونے سے لیکر سات سال تک بچّہ کی جو memory ہے وہ establish ہونے کا time ہے، پھر سات سے لیکر چودہ سال تک یہ جوانی کی طرف بڑھنے کا period ہے، سات سال سے لیکر اکّیس سال تک بھر پور جوانی کا وقت ہے، پھر اگلے سات سال میں اٹھائیس سال کے بعد انسانی جسم میں ہڈیوں کی growth (نشونما) رک جاتی ہے، پھر یہ سات کا cycle چلتا رہتا ہے، حتّٰی کہ جب seven مرتبہ یہ cycle (دورانیہ) زندگی میں پورا ہوتا ہے تو عورت کے جسم میں جو reproduction (تولید) کی صلاحیت ہے وہ ختم ہوجاتی ہے، اسکو menopause period (انقطاع حیض) کہتے ہیں۔ سائنس دانوں نے دریافت کیا کہ ہر سات سال میں انسان کے جسم میں، cancer (کینسر) ہونے کے chances (احتمالات) بڑھتے جاتے ہیں یعنی پہلے سات سال میں ایک ہے اگلے سات سال میں Double (دوگنا) ہوجائینگے، اگلے سات سال میں اس سے ڈبل ہوجائیں گے تو یہ chances (احتمالات) بڑھتے رہتے ہیں حتّٰی کہ جب نومرتبہ سات کا cycle (دورانیہ) زندگی میں پورا ہوتا ہے تو یہ memory loss ہونے کا وقت ہے، تریسٹھ سال اور آپ حیران ہوں گے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے پاس بلالیا تاکہ بعد میں آنے والا کوئی یہ اعتراض نہ کرسکے کہ وہ عمر کے ایسے حصے میں پہنچ گئے تھے جب انسان بھول کا مریض بن جاتا ہے لہذا ان کی باتوں میں کوئی کمزوری ہے عیب کی عمر آنے سے پہلے اللہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو اپنے پاس بلالیا پھر ایک اور cycle (دورانیہ) سات کا ہوجائے تو جو 70 کی عمر ہے یہ انسان کی

average (اوسط) عمر ہے اس امت کی نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری امت کی عمریں 'بین سبعین وستین' ساٹھ، ستر کے درمیان تو یہ سات کا cycle (دورانیہ) انسان کی زندگی میں بہت اہم ہے۔ خاص طور پر جو پہلے سات سال ہیں وہ بڑے اہم ہیں۔ عورتیں اس چیز کو بہت توجہ سے سنیں! کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے دماغ کی جسمانی نشونما تو ہوتی ہے مگر maturity (پختگی) نہیں ہوتی وہ سات سال میں جا کر آتی ہے اب بچپن سے لے کر birth (پیدائش) سے لے کے دو سال تک جو وقت ہے اس میں انسان کے ذہن میں صرف permanent memory (مستقل یادداشت) کام کر رہی ہوتی ہے تو بچہ جو دیکھتا ہے، جو سنتا ہے، اس کی permanent memory (مستقل حافظہ) کا حصہ بن جاتا ہے اس کو آپ کمپیوٹر کی مثال سے سمجھیں! کمپیوٹر میں memory دو طرح کی ہوتی ہے ایک کو ram کہتے ہیں random acess، ایک کو rom کہتے ہیں read only memory وہ جو rom ہوتی ہے وہ permanent ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان کا دماغ ابتدا میں بچپن میں صرف اس کے اندر rom ہوتی ہے جو information (معلومات) آرہی ہے permanent memory (مستقل یادداشت) کا حصہ بن رہی ہے وہ information بچے کے ذہن میں ساری عمر رہتی ہے اسی کو کہتے ہیں کہ بچپن کی باتیں انسان کو بچپن میں بھی نہیں بھولتیں کہ وہ permanent memory (مستقل یادداشت) میں چلی جاتی ہے پھر جب بچہ grow کرتا ہے تو اس کے اندر ram کی میموری built.up (تخلیق) ہو جاتی ہے اور بچہ کے اندر اتنی maturity (پختگی) آجاتی ہے۔ سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکتا ہے اچھے برے میں تمیز کر سکتا ہے اب جو information آتی ہے وہ پہلے ram میں آتی ہے بچہ اس کو process (سوچ بچار کے ایک مرحلے سے گزارتا ہے) کرتا ہے اس کے بعد وہ اس کی permanent memory (مستقل حافظہ) میں جاتی ہے، تو جب تک بچہ کے اندر ram develop (پختہ ram) نہیں ہو جاتی بچہ کا غلط چیزوں سے سامنا بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے سائنسدانوں نے یہ چیز دریافت کی کہ دو سال سے پہلے بچہ کے سامنے اسکرین نہیں لانی چاہئے چاہے کمپیوٹر کی ہو، چاہے i.pad کی ہو، چاہے cell phone (موبائل) کی ہو، کیوں کہ بچہ کارٹون دیکھتا ہے، ان کو لڑتے دیکھتا ہے، تو لڑنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ جس طرح کارٹون میں الٹے سیدھے بول بولتے ہیں، اس طرح بولنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اب ماں باپ ابتدا میں غلطی خود کرتے ہیں بعد میں کہتے ہیں یہ بچہ

ہماری بات سمجھتا نہیں بھئی آپ نے اس کو شروع میں سمجھایا کیا ہے؟ گندگی، جب گند بھرے گا تو گند ہی باہر نکلے گا، اسلئے حتیٰ الوسع کوشش کریں کہ دوسال کی عمر تک تو بچہ اسکرین دیکھے ہی نا۔۔۔ یا جتنا کم سے کم دیکھیں، یہ نہیں کہ ماں مصروف ہے فون پہ اور بچہ کو اسکرین پہ بٹھا دیتی ہیں اور بچہ چھ۔ چھ گھنٹے بیٹھا ہوا ہے۔

زیرو سے دوسال کی عمر تک وہ بہت اہم ہے کہ وہ بچے کے فلٹر ابھی establish نہیں ہوتے جو آتا ہے بچے کے ذہن میں permanent memory (مستقل حافظہ کا حصہ) بن جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد دو سے لے کے پانچ سال تک کی عمر یہ بچے کے اندر اس کے فلٹر develop (ترقی) ہونے کی عمر ہے اس میں بچے کو ماں پڑھائیں مگر باہر کا جو interaction (اثر) ہے اس سے حتیٰ الوسع بچائیں کیونکہ یہ بچہ جائے گا اسکول میں اور وہاں جا کر دوسرے بچوں سے گالیاں سنے گا، بری باتیں سنے گا، گانے سنے گا، کیا کیا سنے گا تو یہ فلٹر تو کر نہیں سکتا لہذا وہ گند بھی بھر جائے گا۔ اسی لئے سائنسدانوں نے اس پر ریسرچ کی کہ بچہ کی پڑھنے کی صحیح عمر کیا ہے؟ تو انہوں نے دیکھا کہ پانچ سال سے لے کے سات سال کے درمیان اتنے strong filters ہوجاتے ہیں کہ بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ independently interact (ازخود تعامل) کرسکتا ہے لیکن۔۔۔ اس پر جرمنی کے اندر کچھ تین ہزار بچوں کے اوپر experiment (تجربہ) کیا گیا تو پتہ یہ چلا کہ جن بچوں کو پانچ سال میں پڑھنے ڈالا گیا اور جن بچوں کو سات سال میں پڑھنے ڈالا گیا تو بیس سال کی عمر میں جا کے پانچ سال میں پڑھنے والے وہ بچے پیچھے رہ گئے تھے memory (یادداشت) کے اعتبار سے سات سال کے بچے ان سے بہت بہتر perform (کام انجام) دیتے تھے۔ تو آج سائنس prove (ثابت) کررہی ہے کہ اچھی عمر جو پڑھائی کی ہے وہ سات سال ہے، تاہم پانچ سال سے بھی اگر شروع کردیں تو بھی ٹھیک ہے ——— ایک نئی مصیبت آگئی ہے اس کو early-learning کہتے ہیں ماں تو کہتی ہے بچہ پیدا ہو مجھ سے کوئی لے جائے پڑھانے کے لئے، میری جان چھوٹے اور جو تعلیمی ادارے ہیں انہوں نے بھی پیسے بنانے کے لئے ایسے ایسے کورسیس شروع کردیئے کہ بس۔۔ پہلے سات سال کا بچہ پڑھنا شروع کرتا تھا، پھر پانچ سال کا ہوگیا، پھر چار سال کا، پھر تین سال کا، اب تو دوسال کے بچے کو پڑھنے بھیجتے ہیں، بلکہ مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں ایک ایسا انگلش میڈیم اسکول بھی کھلا ہے، کہ پیدائش سے پہلے بچے کا نام رجسٹر کرواتی ہیں، پیدائش کے بعد اگر جائیں تو بچہ کو لائن میں لگنا پڑتا ہے تو یہ جتنا early-learning نام پہ ہے یہ صرف کمائی کا معاملہ ہے ورنہ

بچہ اس قابل نہیں ہوتا اس کا سبب کیا ہے کہ بچہ جب stressed condition (دباؤ کی حالت) میں آجاتا ہے تو ذہنی نشونما اس کی retard (متأثر) ہوجاتی ہے رفتار، slow (سست) ہوجاتی ہے۔اب تین سال کے بچے کو ٹھنڈی کے موسم میں صبح صبح ماں اٹھا کے بھیج رہی ہے وہ رو رہا ہے نہیں جانا نہیں جانا تو ہم اپنا دل تو خوش کر رہے ہیں لیکن بچے کے ذہن پہ کیا اثر ہے وہ ہمارے تو اختیار میں تو نہیں ہے۔اس لئے جب ہم اپنے دور میں تھے تو ہمارے دور میں چھ سال میں بچے کو اسکول میں بھیجا جاتا تھا ہم خود بھی بڑے بڑے ہوگئے تھے اور لوگ کہتے تھے، آنٹیاں کہتی تھیں کہ جی بیٹا بڑا ہوگیا اسکول بھیج دو امی کہتی تھیں اچھا اگلے سال بھیج دوں گی تو چھ سال کی عمر میں اسکول گئے اور الحمد للہ کہ ایسی عمر تھی کہ ہمیں پہلے دن سے right اور wrong کا اندازہ تھا جو ماں نے سمجھایا تھا۔لہذا پیدائش سے لے کے دو سال تک کی عمر n o screen,no exposure to external environment، (اسکرین یا باہر کے ماحول سے پوری طرح بچا کے رکھا جائے) پھر دو سے لے کر پانچ سال controlled environment (محفوظ ماحول) ماں ساتھ رکھے، خود پڑھائے یہ informal education (غیر رسمی تعلیم) کا وقت ہے بچہ پڑھتا ہے، بچہ یاد کرتا ہے، سورۂ یاسین یاد کراؤ، آخری پارہ یاد کرواؤ مگر بچے کو اپنوں میں رکھیں، وہ کسی ایسے کے پاس نہ جائے جو اس کو کوئی بری بات کردیں، یہ watchful (چوکنّا) رہنے کا وقت ہوتا ہے ماں کے لئے پھر پانچ سے لے کے سات سال اس درمیان، بچے کو باقاعدہ institiution (تعلیمی ادارے) میں formal education (رسمی تعلیم) کے لئے بھی بھیج دیں تو بھی ٹھیک ہے مگر ماں کے اوپر ایک ذمہ داری آتی ہے کہ روزانہ جب بچہ اسکول سے واپس آئے تو اسکی screening (تفتیش اور معائنہ) خود کریں، چونکہ وہ خود تو نہیں کرسکتا نا۔۔اب پندرہ منٹ اس کا انٹرویو کریں، تمہارے دوست نے کیا کہا، تمہارے ٹیچر نے کیا کہا، تم نے کیا دیکھا، تم نے کیا سنا، بچہ ہر چیز کو کھول دیتا ہے اور ماں ساتھ ساتھ بتاتی جائیں بیٹا یہ ٹھیک ہے اور یہ ٹھیک نہیں ہے اب ماں جو sorting (چھانٹنا) کرتی جائے گی تو وہ چیز پھر بچے کے لئے permanent memory (مستقل حافظہ) میں بھیجنا آسان ہوگا اور جو غلط ہوگا بچہ اس کو delete (محو) کردے گا تو یہ پہلے سات سال بچے کی نشونما کے لئے بہت اہم سال ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جن بچوں میں پیدائشی طور پر کچھ کمی رہ جاتی ہے مثلاً بچہ پیدا ہوا مگر low-birth weight (پیدائشی طور پر کمزور اور خفیف الوزن) تھا یا premature (وقت سے

پہلے) پیدا ہوگیا 32weeks سے پہلے تو ایسے بچے کے دماغ میں بھی کمی ہوتی ہے۔ سائنسدانوں نے لکھا ہے کہ اگر ماں پہلے سات سال میں اچھی informal education (غیر رسمی تعلیم) دے تو ان بچوں کی کمی کو پورا کیا جاسکتا ہے۔اب عام عورتوں کو اس بات کا پتہ ہی نہیں کہ informal education (غیر رسمی تعلیم) جو گھر میں ماں کرتی ہے وہ اتنی اہم ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں پہلے برطانیہ کی ایک یونیورسٹی میں ایک ریسرچ پروگرام چلایا گیا جو پیدائش سے لے کے تیرہ سال کے بچوں تک تھا۔ تیرہ سال انہوں نے بچوں کو study (مطالعہ) کیا اور study (مطالعہ) کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ جو parenting style (پرورش کا انداز) ہے اگر وہ اچھا ہو تو جو بچے بچپن میں کمی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں وہ تیرہ سال کی عمر میں جا کر normal (عام) بچوں کے ساتھ eqully good (یکساں طور پر ٹھیک) ہوجاتے ہیں سبحان اللہ ، ہمارے مشائخ فرماتے تھے کہ ماں کی گود بچہ کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے آج کی سائنس کی دنیا نے بھی وہی بات ثابت کردی ، ہمارے گھروں میں عورتیں informal education (غیر رسمی تعلیم) کی اہمیت کو تھوڑا سمجھتی ہیں جتنا سمجھنا چاہئے اتنا نہیں سمجھتیں لہٰذا آج تعلیم کے معاملے میں اس ''غیر رسمی تعلیم'' پر بھی روشنی ڈالی جائے گی ۔بچپن میں بچے کو تعلیم شروع ہی سے شروع کروادینا چاہئے ،مثال کے طور پر بچہ جب خود بیٹھ سکے بغیر سہارے کے اور سن سکے تو ماں کو چاہئے کہ اس کے سامنے کتاب کی reading کرنی شروع کردیں ، بچہ سمجھتا ہے اور اس کے اندر کتاب کی محبت پیدا ہوتی ہے، عجیب بات کہ اس عمر میں بچہ جب ماں کو کتاب پڑھتے دیکھتا ہے تو اس کی permanent memory (مستقل حافظہ) میں یہ بات چلی جاتی ہے کہ یہ کوئی اچھی چیز ہے جو میری ماں کر رہی ہیں تو ایسے بچے میں پڑھائی کی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ساری زندگی اس کو کتابوں سے محبت رہتی ہے۔ چنانچہ harvard میں تیرہ سال کی study (تحقیق) کی گئی تو اس نتیجے پر تیرہ سال کی ریسرچ کے بعد پہونچے کہ family informal education is better than formal education (گھر کی غیر رسمی تعلیم ،اسکول کی رسمی تعلیم سے بہت بہتر ہے) یعنی اسکولوں میں بھیج کے ٹیچروں سے پڑھانے کے بجائے ابتدائی سالوں میں ماں جو گھر میں پڑھاتی ہے وہ زیادہ بہتر ہوتی ہے ماں کو چاہئے کہ ہر روز کتاب پڑھ کر سنائے ، جانوروں کی تصویر دکھانا ،ان کے نام بتانا ،A,B,C پڑھ کے سنانا ، پھلوں کی تصویر دکھانا ،ان کے نام پڑھ کے سنانا ، پھر جو بچے کو سنائیں اگر بچہ بول سکتا ہے تو اس

سے question پوچھیں کہ آپ نے یہ جو پڑھا تھا تو بچہ آپ کو اس کا جواب دے گا تو پتہ چلے گا کہ بچہ کتنا سیکھ رہا ہے، بچے کے سامنے صفحے کھول کر پڑھائیں، تاکہ بچے کو عادت پڑے کہ کتاب کے صفحے کو کھول کے پڑھا جاتا ہے۔ایک اور اہم بات کہ جب بچے کو لے کے کہیں جائیں تو اپنے اردگرد کی چیزوں کو ضرور پڑھیں یہ بچہ کا ''موبائل مدرسہ''، مثلاً دکانوں کے نام، یا ٹریفک کے جو signs ہوتے ہیں یا اور اس قسم کے جو چیزیں لکھی ہوتی ہیں یا نمبر لکھے ہوتے ہیں، یہ پڑھ پڑھ کے یا speed limit (تیز رفتاری کی حد) لکھی ہوتی ہیں پڑھ پڑھ کے بچے کو سنانا اس سے بھی بچے میں علم آتا ہے۔ پھر ایک کتاب نہ پڑھیں، بدل بدل کے کتابیں پڑھیں، تاکہ بچے کا ٹیسٹ بھی بدلتا رہے۔ایک بات ذہن میں رکھیں کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو reading تو اس وقت بھی اس سے ضرور کروائیں مگر ایک فرق ہونا چاہئے کہ جو کتاب اس کو پڑھنے کے لئے آپ دیں، اس کو پہلے خود پڑھیں، بعض کتابوں میں بہت poisonous mater (زہریلا مواد) ہوتا ہے شروع ہی سے وہ love stories (عشق ومحبت کے قصے) شروع کر دیتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کہ بچہ بچپن سے ہی کچھ اور خیالات میں چلا جاتا ہے۔تو یہ screening (معائنہ اور جانچ) ماں کے ذمے ہے ہر ماں بچے کے سامنے پندرہ سے بیس منٹ روزانہ پڑھنے کو لازم سمجھیں۔ reading کا بیسٹ ٹائم bed-time (سونے کا وقت) ہوتا ہے یعنی سونے سے پہلے اس وقت بچہ کو پڑھ کے سنائیں، اور بچے میں دلچسپی پیدا کریں، تو وہ بچہ اچھی طرح بات کو سمجھتا ہے، پڑھائی کو صرف پڑھائی نہ کریں، پڑھائی کے دوران لطیفہ سنا دیا، پڑھائی کے دوران کہانی سنا دی، بچے کو ہنسا دیا اس کو دلچسپ بنا دیا تو پھر بچہ اس پڑھنے کی نشست کو اچھا سمجھتا ہے اس سے بور نہیں ہوتا۔اب بچے کو کچھ subjects (موضوعات) میں پڑھانا پڑتا ہے۔مثال کے طور پر زبان کی تعلیم، بچے کو کوئی بھی زبان سیکھانی ہو، تو اس بارے میں چند باتیں یاد رکھیں؛ کہ تین سال کی عمر تک اکثر بچے کو یاد کر لیتے ہیں تین سال کی عمر تک harvard کی ایک ریسرچ تھی catherine اس نے کئی سال کی ریسرچ کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ جب ماں بچے کو نئے الفاظ سکھاتی ہیں تو اس لفظ کے ساتھ بچے نئے ideas اور concept خود بخود سیکھ لیتے ہیں تو اس لئے ماں زیادہ سے زیادہ معلومات دے بچے کو مثال کے طور پہ آپ grocery-stor (کرانہ کی دکان) گئیں تو اب بچے کو بتائیں یہ b r e a d ہے پھر بتائیں کہ b r e a d جو ہے carbohydrate ہوتی ہے آپ کو نہیں اندازہ چھوٹی عمر میں بچے یہ نام یاد کر لیں گے، پھر اس کو کہیں کہ

دیکھو یہ چکن ہے اور چکن پولٹری کہلاتا ہے، zoo میں لے گئیں تو بتائیں کہ mammat اور reptile ان میں کیا فرق ہوتا ہے تو جہاں جہاں جارہی ہیں آپ بچے کو زیادہ سے زیادہ معلومات کا لیول بڑھاتی چلی جائیں بچہ p i c k (اخذ) کرتا چلا جاتا ہے۔ بچے کو ابتدا میں چھوٹے الفاظ کہلوائیں، بولنے کا موقع دیں، کوئی لفظ غلط بولے، فقرہ غلط بولے تو اس کو شرمندہ نہ کریں، اس فقرہ کو ٹھیک کردیں، اگر وہ بالو کو blue (بلو) کررہا ہے تو بچہ ہے بار بار شرمندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تھوڑا بڑا ہوگا تو وہ اپنے accent (بولی) کو خود ٹھیک کرلے گا، بچوں کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ بہت ابتدا میں ان کے سامنے ایک language (زبان) بولنی چاہئے تو بچہ جلدی بولتا ہے اگر دو زبانیں ہوں تو بچہ کے بولنے میں retardation (دیر) ہوجاتی ہے۔ جب تین سال کا بچہ ہوجائے تو تین سال کا بچہ ایک وقت میں تین زبانیں سیکھ سکتا ہے، گجراتی بھی سیکھ سکتا ہے، اردو بھی سیکھ سکتا ہے، انگلش بھی سیکھ سکتا ہے۔ ریسرچ نے یہ ثابت کردیا کہ دو زبانیں بولنے والے تخلیقی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں، تو جو بچے دو زبانیں بولتے ہیں، ان کی سوچ بہتر ہوتی ہے تاہم یہ اصول ہے کہ جو زبان آپ بچے کو سکھانا چاہتی ہیں خود بھی بولیں، قریب کے لوگ بھی وہی بولیں، کہ جب آپ بچے کو ایسے ماحول میں ڈال دیں گی کہ چاروں طرف وہی language (زبان) ہے تو بچہ آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔ سائنس سے یہ ثابت ہوا کہ دوسالہ بچہ speed-pattern کو سیکھ سکتا ہے یعنی اگر دوسال کے بعد بچے کو ہم قرات سیکھانا چاہے، تو وہ بچہ قرات بھی سیکھ سکتا ہے۔ ایک عجیب بات ہے مغربی ممالک میں جن بچوں کی آواز خوبصورت ہوتی ہے ان کو تین سال کی عمر سے singer بنانا شروع کردیتے ہیں اس کی ان کو باقاعدہ تعلیم دینا شروع کردیتے ہیں۔ بچے کے لئے learning environment (تعلیمی ماحول) کا گھر میں بنانا بہت ضروری ہے بچہ دوسروں کی گفتگو سے بھی بہت سیکھتا ہے۔ ایک وقت میں آپ بچے کو دو زبانیں سیکھا سکتی ہیں مگر اس کو بتائیں کہ دیکھو ''اچھا'' اردو میں کہتے ہیں good انگلش میں کہتے ہیں تو اس سے کیا ہوگا وہ بچہ آسانی سے دو زبانیں بھی سیکھ جائے گا اور اگر بچہ ذرا بڑا ہورہا ہے تو اس کو کچھ سنادیں تو اس سے بچے کا نطق اور بہتر ہوتا ہے جیسے آسٹریلین عورت Barbara نے جو letter-sound (حروف کی آواز) ہے اس کے بارے میں کہتی ہے کہ حروف کی آواز سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں تو لیکن حالات ایسے ہوتے ہیں کہ لگتا ہے آج کے اس کمپیوٹر دور کی دنیا میں بچے apple سے حروف نہیں سیکھیں گے بلکہ لگتا ہے آج کے دور کے حروف (alphabets) ہی نئے ہوں گے، جیسے A سے "Apple phone

B-Bluetooth,C-Chatting,D-download,E-e-mail,F-facebook
G-google,H-hotmail,I-i-pad,J-java,K-kingston,L-laptop,
M-message,N-nokia,O-orkut,P-print,Q-quicktime,R-ram,S-skye
T-touchscreen,U-usb,V-vista,W-wifi,X-x.p,
Y-youtube,Z-zamelot,,

تو یہ نیٹ کا زمانہ ہے ہم بات کسی اور طرح کر رہے ہوتے ہیں، بچے اپنے ذہن کے حساب سے کچھ اور سوچتے ہیں لیول (سطح) کا بڑا فرق ہوتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے استاد پڑھا رہا تھا؛ کہ شتر مرغ ایک جانور ہے یہ بہت مضبوط ہوتا ہے، سیدھا سادہ ہوتا ہے، ہر چیز کھالیتا ہے، اس کو ہر چیز ہضم ہوجاتی ہے، دکھائی بھی کم دیتا ہے تو جب یہ خوبیاں سنی ایک لڑکی دوسرے سے کہنے لگی کہ ''پرفیکٹ شوہر'' کی صفات اس میں ہوتی ہے۔ تو بچہ کچھ اور سوچتا ہے بڑے کچھ اور سوچتے ہیں، چنانچہ دسویں کلاس کے بچوں کو استاد نے ایک فقرہ دیا ٹیچر نے کہا؛ کہ complete the sentence (جملہ پورا کیجئے) کیا تھا؟ تو بچے نے کیا کہا کہ؛

جب انٹرنیٹ پڑھاتے ہو پیریڈ وار کالج میں
تو اونچا کیوں نہ ہو معیار تعلیم کا کالج میں
اگرچہ دوسرے مشروب مہنگے نہیں ملتے
مگر چلتا ہے اکثر شربت دیدار کالج میں
ملا تھا داخلہ جس کو سمندر پار کالج میں

وہ ڈگری کے بجائے mam (لڑکی) لیکر لوٹ آیا ہے۔ تو آج کے ماحول کی وجہ سے بچوں کا روش سے ہٹ جانا بہت آسان ہوگیا۔ اب ماں کی ذمہ داری بڑھ گئی، باپ کی ذمہ داری بڑھ گئی کہ وہ بچے کو بچپن میں ایسے ماحول میں رکھیں کہ غلط معلومات ان کے دماغ میں نہ جاسکیں۔

next ہے mathematics (حساب) میں مہارت پیدا کرنا بچے کے اندر، ذرا غور کیجئے کہ ہمارے چاروں طرف حساب ہیں ہم بولتے ہوئے کہتے ہیں how many how much,how long, (کتنے عدد، کتنی مقدار، کتنی دیر؟) یہ سب mathematics (حساب) ہیں عام طور پر تین سال سے پہلے بچے گنتی دس بیس تک آرام سے سیکھ سکتے ہیں آج کے دور میں mathematics (حساب) کو پڑھنے کی اہمیت زیادہ ہے لہٰذا بچے کو toys (کھلونے) ایسے لیکر دیں کہ جس سے بچے کو آپ گنتی

سیکھاسکیں، measurement (ناپنا) سیکھاسکیں compation (تقابل) سیکھاسکیں shapes، سیکھاسکیں اس کو کہتے ہیں education throuth entertainment (تعلیم بذریعہ تفریح) بچہ کھیل بھی رہا ہوتا ہے، سیکھ بھی رہا ہوتا ہے، پھر خاص طور پر جب دسترخوان لگانا ہوتا ہے، کھانے کا وقت ہوتا ہے، وہ بچے کے حساب سیکھنے کا بہترین وقت ہوتا ہے۔ بچے کو ساتھ رکھیں، اس کو دیکھو ایک چھری، چھ چمچ، دس پلیٹیں، سیڑھی چڑھتے ہوئے کہیں دیکھو، ہم نے اتنی سیڑھیاں چڑھ لیں snacks items (معمول کے علاوہ کھائی جانے والی چیزیں) رکھیں تو بچے سے گننے کے لئے کہیں اور پوچھیں کتنے مہمان آئے، بچے کو square (مربع) اور triangle (تکونی)، circle (دائرے) کی پہچان اپنے اردگرد کی چیزوں سے کروائیں، عورتیں جو کچن میں کھانا بناتی ہیں وہ تو سائنس اور math کی ہی activity (کام) ہوتی ہے۔ اس لئے فرنچ لوگ اپنے بچوں کو کچن میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں، ان کو چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتے رہتے ہیں، assignments (تمرینات) دیتے رہتے ہیں، بچہ سائنس اور math سیکھتا رہتا ہے مثلاً اس چیز کی اتنی measurement (ناپ) کر کے دو مجھے اس کو فلاں جگہ ڈالنا ہے بچہ کو کہا کہ فریج سے یہ چیز لے کے آؤ تو آپ دیکھیں گی کہ بچہ بہت جلدی یہ چیزیں سیکھ جائے گا اور ماشاءاللہ بعض عورتیں تو اتنا وقت کچن میں گزارتی ہیں کہ ان کا ایڈریس ہی کچن ہوتا ہے۔

mathematics (حساب) اس کے لئے سن لیجئے ایک تو ماں کھیل کے ذریعہ سے بچوں کو mathematics پڑھائیں، پھر اگر اس سے اوپر جانا ہے تو ایک پروگرام ہے razkids اس میں بچے کھیل کے ذریعہ سے حساب سیکھتے ہیں تو ابتدا میں بچے کو اس سے بھی فائدہ ہوسکتا ہے پھر اس کے بعد اگر بچے کو حساب میں اور آگے بڑھانا ہے تو khan academy کا ایک پروگرام ہے یہ ایک پاکستانی لڑکا تھا جس نے اپنی cousin (خالہ اور ماموں زاد بھائی بہنوں) کو subjects (بعض موضوعات) پڑھانا تھا تو اس کے لئے اس نے نوٹس بنائے پھر اس کو videos کے ذریعہ explain (سمجھایا) کیا but it became a wonderful program (اب یہ بہت اچھا پروگرام بن گیا) یہ youtube پہ ہر مضمون پر فری (مفت) available (مہیا) ہوتا ہے۔ ویب سائٹ کا نام ہے khanacademy.com اگر اس سے بھی اوپر کرنا ہے بچے کو تو ایک جاپانی پروگرام ہے braino brain یہ advanced learning (اونچی تعلیم) کے لئے اور skill

development (ترقیٔ مہارات) کے لئے بہت اچھا پروگرام ہے مگر یہ پانچ سال سے پندرہ سال کی عمر کے بچوں کے لئے ہے۔ اس میں whole brain development (مکمل دماغی نشوونما) سکھاتے ہیں by ulifiration of abacus multiplication تاکہ بچے کا پورا ذہن اس مضمون کو سیکھنے کے لئے استعمال ہو سکے، اگر اس سے بھی اچھا بچے کو لیول دینا ہے تو ایک پروگرام ہے cumen یہ ایک جاپانی سائنسدان تھا اس نے ۱۹۵۴ میں usaka میں یہ پروگرام شروع کیا تھا پھر بعد میں امریکی سائنسدانوں نے اس پر زیادہ محنت کی تو یہ امریکن پروگرام کہلانے لگا، اس میں بچے کو subtraction,division,fraction,calculus سیکھا دیتے ہیں، چھوٹا بچہ calculus کے سوال حل کر لیتا ہے تو یہ اس کو سیکھانے کے لئے ایک کافی اچھا پروگرام ہے، مائیں ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرلیں، پھر جب بچے کے پاس بیٹھی ہوں تو بچہ کو اپنی انگلی سے گننا سیکھائیں، اس کو کہتے ہیں inter-active activity تو بچے اپنی انگلیوں کے پوروں پہ ہی وہ گنتی گنتے ہیں اور ان کو اس کا اچھی طرح شوق ہوتا ہے m a t h s میں بچے کو آپ c o n c e p t سیکھائیں، رٹہ نہ لگوائیں، memorization (حفظ) ہی نہ کروائیں، بس اتنا دیکھیں بچہ کیسے سیکھ رہا ہے جب ایک چیز کو سیکھ لے پھر اس کو آگے بڑھائیں مثلاً آپ صفائی کر رہی ہیں تو بچے سے بتائیں bed-room میں کتنی کرسیاں ہیں، اچھا کتنے فریم دیوار پر لگے ہوئے ہیں، اس کمرہ میں بلب کتنے لگے ہوئے ہیں، اب ان چیزوں کو کرنے سے بچہ ماں کے ساتھ خوش بھی رہتا ہے، وقت بھی گزرتا رہتا ہے اور بچے کو حساب آتا رہتا ہے، جب بچہ آپ کے کسی سوال کا صحیح جواب دے تو اس کو اس کا انعام دیں، انعام میں پیار سے دیکھنا یہ بھی ایک انعام ہے، محبت کی نظر، مسکرانا یہ بھی انعام ہے، بچے کو kiss کرنا یہ بھی انعام ہے، انعام کا مطلب صرف روپیہ، پیسہ نہیں ہوتا appreciation (اعتراف) کی کوئی بھی کیفیت ہو، بچے کے لئے انعام ہوتی ہے بچے کو اعتدال کی اسپیڈ سے پڑھاتی رہیں اتنا تیز نہ ہو کہ بچہ اس کو بوجھ محسوس کرنے لگے، آپ سفر میں بھی جائیں تو باوجود سفر کے پندرہ سے بیس منٹ نکال کے بچے کے ساتھ ایک reading کی نشست ضرور کرنی چاہئے، جب آپ باہر ہیں تو بچہ سے ضرور سوال پوچھا کریں مثلاً اس چیز کی price-tag پہ کتنی price (قیمت) لکھی ہوئی ہے اچھا بتاؤ ٹیکسی والے نے کتنا کرایہ مانگا، بتاؤ اس ٹکٹ کی قیمت کیا ہے، اچھا کتنے لوگ یہاں بیٹھے ہیں اس طرح کے سوالات وہ بچے کو activity بھی دیتے ہیں

اور بچے کے ذہن میں maths کی اہمیت بھی بیٹھتی ہے۔

آگے ہے دینی علوم میں مہارت؛ دینی علوم میں مہارت کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بچپن ہی سے بچے کو فضائل اعمال اور حکایات صحابہؓ سنائیں۔ جتنی فائدہ مند یہ دو کتابیں ہیں شاید بچوں کے لئے دوسری کوئی کتاب اتنی فائدہ مند نہیں، تو ہر ماں کو چاہئے کہ بچپن سے ہی فضائل کی احادیث سنائیں، story سنائیں تو فضائل کی احادیث سے تھیوری مل جائے گی، حکایات سے پریکٹکل مل جائے گی تو بچے کے اندر دین کی ایک محبت پیدا ہوتی چلی جائے گی، آگے بڑھیں، تو قصص النبیین سنائیں، حضرت موسیٰؑ کا واقعہ ایسے تھا، حضرت یونسؑ کا واقعہ ایسے تھا اور آگے بڑھیں تو پھر بزرگوں کی تقاریر بھی سنائیں، نعت بھی سنائیں، نماز پڑھنا سکھائیں، یہ بچے کی ایک informal training (غیر رسمی تربیت) ہے دینی چیزوں کے بارے میں اگر آپ اس سے اور تھوڑا آگے بڑھنا چاہتی ہیں تو ساؤتھ افریقن علماء کی کتابیں ہیں جن کو تسہیل سیریز کہتے ہیں عقائد، حدیث، فقہ، ادب کے بارے میں تو ماں ان کتابوں کو پڑھ کر سنائیں جن ملکوں میں علماء a v a i l a b l e نہیں امریکہ، یوروپ دوسری جگہوں پر وہاں پر عام طور پر ہم نے دیکھا کہ sunday-school نہیں ہوتا ہے تو sunday میں ہی یہی چیزیں پڑھائیں اور دنیا میں ہر ملک میں جو مکتب سسٹم ہیں اس کو ہم نے تعلیم میں سب سے زیادہ بہترین پایا ہے اللہ جزائے خیر دے ان علماء کو، جنہوں نے یہ مکتب سسٹم شروع کیا کہ یوروپ، امریکہ جہاں بھی چلے جائیں مکتب سسٹم جہاں ہیں وہاں بچوں کی دینی بنیاد بہت مضبوط ہوتی ہیں اگر اس سے بھی اوپر جائیں تو بچے کو کسی عالم کے پاس بھیجیں، کسی جامعہ میں بھیجیں، استاذ سے باقاعدہ وہ کتاب پڑھے، قرآن حفظ کرے، ترجمہ پڑھے تو جامعہ جانا یہ گویا علم کی extrame ہے آج کل مختلف ملکوں میں نہ جامعات ہیں، نہ استاذ ہے تو پھر اگر بچہ بڑا ہو گیا تو اس کو انٹرنیٹ کے ذریعہ سے بھی آپ دینی تعلیم دلوا سکتی ہیں جیسے بہت سارے پروگرام ہیں ''المعلم'' ہے ilmessential ہے اس طرح کے پروگرام جو صحیح علماء نے شروع کئے ہوئے ہیں اور وہ انٹرنیٹ پہ بھی بچے کو اچھا پڑھا سکتے ہیں یہ بھی ایک ممکن طریقہ ہے۔

اب اگلا عنوان ہے کہ technology as a learning tool (ٹیکنالوجی بطور تعلیمی آلہ) ہم ٹیکنالوجی کے دور میں ہیں اور آج کے دور میں بچے کو ٹیکنالوجی سے دور نہیں رکھ سکتیں، رکھیں گی تو بچہ جب بڑا ہوگا تو وہ اس طرح بھاگے گا جیسے کوئی جیل سے نکل کر بھاگتا ہے اور پہلے سے زیادہ برا ہو جائے گا اس

لئے اپنی supervision (نگرانی) میں بچوں کو ٹیکنالوجی سیکھائیں تاکہ وہ ضرورت کے وقت ان کو استعمال کرسکیں۔

پہلا پوائنٹ کہ تین سال تک تو بچے کو games سے بچائیں، ویڈیو گیم اور ان چیزوں سے کیونکہ filters develop نہیں ہوتے تین سال کے بعد پھر بچوں کو بتائیں پھر اس کے بعد اگر بچہ اسکرین پہ کھیلتا بھی ہے، تو اس سے اس میں eye-hand coordination پیدا ہوتی ہے پھر بچے ذرا بڑا ہوجائے تو کمپیوٹر پروگرام سیکھائیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بچے کو ٹائپنگ سیکھائیں پھر اس کو آفس پروگرام windows میں جو ہے وہ سیکھائیں پھر excel اور اس قسم کے باقی پروگرام پھر بچے کو ویب سائٹ ڈیزائن کرنا سیکھائیں، programning سیکھائیں، پھر app-development سکھائیں، پھر اس کو robotics یا graphic ڈیزائن میں لے جائیں، ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جو بچے ڈیزائننگ میں پڑ جاتے ہیں وہ گندی ویب سائٹ پر پھر جاتے ہی نہیں ہے ایسا انٹرسٹ پیدا ہوتا ہے کہ وہ گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں graphic-development میں تو یہ بھی ایک طریقہ ہے بچے کو بری ویب سائٹ سے بچانے کا کہ اس کو کچھ چیزیں سیکھا کر ایسے شوق میں ڈالدیں کہ جسمیں وہ اپنی ہی چیزیں ڈیزائن کرتا رہے اور وہ گندی ویب سائٹ پر جانے سے بچا رہے۔

اب اگلا پوائنٹ ہے، بچے کی تربیت کے بارے میں؛ تربیت کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جب بچہ تھوڑا سا بھی بڑا ہوجائے تو اس کے ساتھ کنٹرول کو شیئر کریں decision making کو شیئر کریں مثلاً آپ چلنا چاہتی ہو یا دوڑنا چاہتے ہو، سیٹ پر دائیں طرف بیٹھنا ہے یا بائیں طرف بیٹھنا ہے، ابھی گھر جائیں یا دس منٹ کے بعد جائیں، تو بچے کو چوائس (چُننے کا اختیار) دیں، چوائس دینے سے دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو بچہ جب خود فیصلہ لیتا ہے، تو مطمئن ہوتا ہے۔ دوسرا اس میں خود اعتمادی آتی ہے۔ اس میں decision making (قوت فیصلہ) آتی ہے اس کی will-power (قوت ارادی) بڑھ جاتی ہے۔ اس بچے میں wisdom پیدا ہوتا ہے۔ اس بچے میں ذمہ داری بڑھتی ہے۔ عجیب بات کہ چھوٹا سا یہ پوائنٹ ہے مگر کتنی تیزی بچے میں پیدا ہوجاتی ہیں، ہم نے دیکھا، بہت ساری مائیں بچوں کو چوائس نہیں دیتیں، وہ سمجھتی ہیں کہ بس یہ لوہے کی مشین کی طرح ہے جو کہیں گے بس وہی کریں گے ایسا نہیں ہوتا تو بچے کو چوائس دیں پھر دیکھیں کہ بچہ تنگ بھی نہیں کرے گا بچے کے بارے میں یہ سن لیں کہ نو ماہ کا بچہ باقی دنیا میں جتنی species (جاندار) ہے ان سے زیادہ عقلمند بن جاتا ہے، نو ماہ کی عمر میں

بچے کا دماغ اتنا develop ہوجاتا ہے کہ جتنی species باقی دنیا میں ہے ان سے اس کی دماغ کی یادداشت سب سے زیادہ ہوجاتی ہے تو بچے کو اس کا ذہن استعمال کرنے کی عادت ڈالیں، ڈسپلن بچے کو محبت سے سکھائیں، الفاظ سے نہیں سکھا سکتیں۔ ایک اصول یاد رکھیں کہ بچے ان ماں باپ کو پسند نہیں کرتے جو بہت محبت دیکر بگاڑ دیتے ہیں، بچے کہتے ہیں جی انہوں نے ہمیں ignore (نظر انداز) کیا بچپن میں تو وہ خوش ہوں گے، جب ذرا بڑے ہوں گے، تو کہیں گے، ہم گھر میں ہوتے تھے، ہم دوسرے بچوں کے ساتھ یہ حرکتیں کرتے تھے ماں دھیان ہی نہیں دیتی تھی، وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ ماں نے آزادی دی تھی وہ بچی کہے گی ماما نے مجھے ignore (نظر انداز) کیا تھا تو آپ کی دی ہوئی آزادی بچے کے ذہن میں بنے گی کہ ماں نے مجھے نظر انداز کیا اور میں بری بن گئی، تو بچے کو پیار دیں مگر پیار کے ساتھ ایک limit ہے، اصولوں کے معاملے میں سختی بھی کریں، سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ بچے ان ماں باپ سے زیادہ محبت کرتے ہیں، جو محبت بھی دیں، مگر اصولوں پر سختی بھی کریں کہ بچے اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں جتنے چمپئن لوگ گزرے ہیں، کسی بھی کھیل میں، تعلیم میں، کام میں تو دیکھا گیا ان میں سے ہر بچے پر، ماں باپ، استاذ یا ایسے کوچ کا اثر زیادہ تھا، جو نرم بھی تھا، مگر سخت بھی تھا تو استاد کی نرمی اور استاد کی سختی اس نے اس کو اتنا پرفیکٹ بنا دیا کہ وہ دنیا کا چمپئن بن گیا تو اچھی ماں وہی جو پیار بھی دے اور اصولوں پر سختی بھی کرے۔

ایک آخری بات کہ بچے کو اچھی عادات بتانے کی ضرورت نہیں، اچھی عادات سکھانے کی ضرورت ہے۔ دوبارہ سنئے! بچے کو اچھی عادات بتانے کی ضرورت نہیں، اچھی عادات سکھانے کی ضرورت ہے، خود وہ کام کرکے دکھائیں، تو بچہ اس کو جلدی سیکھے گا۔ چنانچہ کسی نے کیا اچھی بات کہی "Religion must not only be talked it must be taught" دین صرف پڑھائیں نہیں، دین پر عمل کرکے دکھائیں تاکہ بچہ اس پر عمل کرنے والا ہوجائے اور یہ کام ابتدا میں ماں کرسکتی ہے۔ چنانچہ اس عاجز نے ذکر وسلوک کو بچپن میں اپنے فارسی کے استاذ سے سیکھا ہے۔ ہمارے ایک مفتی صاحب تھے انہوں نے پندنامہ پڑھایا تھا بہت بچپن میں اور اتنا بتایا تھا کہ ایک بڑے ولی تھے خواجہ فرید الدین عطار، انہوں نے تذکرۃ الاولیاء کتاب لکھی، انہوں نے پندنامہ لکھا ہے تو جب مجھے بچپن میں پتہ چلا کہ یہ ایک ولی کی کتاب ہے اور اس میں اولیاء کے تذکرے ہیں، اب چونکہ اولیاء کے تذکرے تو ماں باپ سے پہلے سے سنتے تھے، ایک شوق پیدا ہوگیا۔ اب پندنامہ کو جب اس عاجز نے بچپن میں پڑھا تو یوں لگتا ہے پورا تصوف اسی وقت گھٹی میں پڑ گیا تھا پھر باقی ساری زندگی میں نے پندنامہ کی تفصیل ہی پڑھی ہے پھر اس کو جب میں نے اپنے ماں باپ کی زندگی میں دیکھا تو پریکٹکل اس تصوف کو وہاں دیکھا۔

اب آپ کو کچھ مثالیں دیتے ہیں تا کہ بات اچھی طرح سمجھ آجائیں کہ اس عاجز نے اپنی والدہ سے بہت باتیں سیکھیں۔ان میں سے تین باتیں؛ دنیا سے بے رغبتی ،اتنی بے رغبتی کہ یہ عاجز جب فیکٹری کے اندر مینیجر تھا بہت تنخواہ تھی اپنی والدہ کو بھی دیتا تھا میری والدہ نے مجھ سے کبھی پوری زندگی میں پیسے مانگنے کا تذکرہ ہی نہیں کیا پوری لائف میں آپ حیران ہوں گے انسان پہ کبھی اچھا حال، کبھی یہ ضرورت، کبھی وہ ضرورت، میں نے اپنی پوری لائف میں اپنی والدہ کی زبان سے یہ نہیں سنا بیٹا مجھے یہ چاہئے، مجھے اتنی ضرورت ہے، جو میں ان کے جیب میں ڈال دیتا تھا، والدہ صاحبہ گنتی بھی نہیں تھیں تو والدہ کے اس خلق سے میرے دل میں دنیا کی اتنی بے رغبتی آئی کہ میں بتا نہیں سکتا۔زہد انہوں نے سکھا دیا ورنہ عورتیں تو بچے سے کہتی ہیں اتنی تنخواہ ہے، اتنی مجھے دو، اتنی ادھر دو، مگر اس والدہ نے بتلا دیا کہ دیکھو دنیا سے بے رغبتی ہونا ہی اصل ولایت ہوتی ہے۔

دوسری بات مہمان نوازی، والدہ اتنی مہمان نواز تھیں کہ ہم حیران ہوتے تھے حتی کہ مہمان آتے تھے تو گھر کا کھانا جو پکا ہوا ہوتا تھا، سارا ان کو کھلا دیتی تھیں اور بچوں کے لئے بعد میں دوبارہ پھر پکاتی تھیں اور ہمیں اشارہ کرتی تھیں کہ خبردار آپ میں سے کسی نے بات نہیں کرنی آپ ایک کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ، مہمانوں کو احساس بھی نہ ہو کہ یہ بچوں کے لئے کھانا بنایا گیا تھا تو مہمان نوازی کی انتہا دیکھئے! مجھے آج بھی یاد ہے میری عمر اس وقت کوئی دو سال، ڈھائی سال ہوگی مجھ سے بڑی ایک بہن ہے ان کی عمر کوئی دو سال زیادہ تھی، چار سال ہوگی۔ایک سردی کی رات تھی اور اچانک ہمارے کچھ واقف لوگ تھے، دیہات میں ان کا کوئی بندہ جس کو کہ کوئی ہارٹ ٹیک ہوا یا کیا ہوا تو اس بندے کو لیکر شہر آگئے اور جب وہ چلے تو ماشاءاللہ ۲۵۔۳۰ بندے ساتھ تھے ان کے مرد عورتیں اچانک دروازہ کھٹ کھٹایا گیا بڑے بھائی باہر نکلے تو پتہ چلا کہ واقف لوگ ہیں ۲۵۔۳۰ مہمان آگئے ہیں اب ہر گھر میں ۲۵۔۳۰ کو سلانے کے لئے انتظام تو نہیں ہوتا مگر والدہ صاحبہ نے اسی وقت سب کو مختلف کمروں میں بیڈ لگا کر دیئے، بستر لگا کر دیئے، جو بچوں کے پاس بستر تھے وہ بھی ان کو دیئے اور میری بڑی بہن کی شادی کے لئے جہیز امی نے بنایا تھا، جہیز کی نئی رضائیاں، نیا کمبل ،نئی چیزیں وہ بھی ان کو اٹھا کر دیدی۔اب ہم حیران ہو کر دیکھ رہے تھے کہ مہمانوں کو چاہئے تھا کہ فون کرتے، مہمان دیکھتے کہ رات کا وقت جانے کا ہے یا نہیں؟ ہمارے ذہن میں سوال پیدا ہو رہے تھے اور امی تھیں کہ بس مہمان آگئے ان کو جلدی سلاؤ اور ان کو جلدی کروامی نے سارے گھر کے بستر اور کمبل چادر ان ۲۵۔۳۰ مرد عورتوں کو جب دے کر سلا دیا تو میں اور میری بہن ہم دونوں ایک جگہ بیٹھے ہوئے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے امی آئیں اور کہنے لگی بچو! تم بھی اب لیٹ جاؤ امی نے ہمیں لٹا دیا تو گھر میں گندم کی بوری پڑی تھی ،وہ خالی تھی

توامی نے وہ بوری اٹھا کر ہم دونوں کے اوپر ڈالدی ہم نے سردی کی وہ رات خالی بوری جو گندم کی ہوتی ہے jute bag اس کے اندر سو کر گزاری مگر ماں نے سیکھا دیا بیٹا مہمان نوازی کس کو کہتے ہیں۔

پھر اپنے نیک عملوں کو چھپانا ماں سے سیکھا والدہ کی عجیب عادت تھی ان کے ہاتھ میں جو ہوتا تھا وہ اس کو کسی نہ کسی ضرورت مند کو دیتی تھیں یہ ان کی عادت تھی۔ ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کس کس کو دیتی ہیں لیکن ان کی وفات کے بعد دو واقعات جب سامنے آئے اس سے حیرت ہوئی کہ کس طرح وہ اپنے عملوں کو چھپاتی تھیں۔ پہلا واقعہ کہ ان کی وفات کے ایک ہفتے کے بعد ایک عورت آئی اور گھر میں آکر وہ میری بہن کے سامنے بہت روئیں پھر اس نے یہ واقعہ سنایا کہنے لگی میں آپ کی امی کے پاس دعا کروانے کے لئے آئی کہ میرا خاوند مجھے خرچہ نہیں دیتا یہ نہیں کرتا تنگ کرتا ہے، ستاتا، مارتا ہے تو امی نے دعا بھی کر دی پھر اس کے بعد انہوں نے ہر مہینے مجھے کچھ خرچہ کے پیسے بھی دینے شروع کر دیئے، تم میرے لئے بیٹی کے مانند ہو، مائیں بیٹی کو پیسے دیتی ہیں کوئی ایسی بات نہیں، تم کسی کو مت بتاؤ، بس آجانا مجھ سے لے جانا، تو آپ کی امی مجھے ہر مہینے کچھ نہ کچھ خرچہ دیتی تھیں جس سے کہ میری pocket-money (جیب خرچ) چلتی رہتی تھی کہنے لگی کہ ایک مرتبہ میں ایسے کاموں میں الجھی کہ میں آپ کی امی کے پاس جا ہی نہ سکی تو آپ کی امی بھی نہیں آسکتی تھیں، فاصلہ تھا قدرتاً میری بہن آپ کی امی کے پاس دعا کروانے کے لئے گئی، تو دعا کروانے کے بعد آپ کی امی نے اس کو کچھ پیسے دیئے اور کہا کہ یہ تمہاری بہن کے پیسے مجھے دینے تھے میں پہلے دے نہیں سکیں معذرت کر دینا اور بہن کو پہنچا دینا بہن آئی اور اس نے آکر مجھے پیسے دیئے بھئی تمہارے پیسے دینے تھے وہ معذرت بھی کر رہی تھیں کہ دیر ہوگئی لے لو کہنے لگیں، میں سوچتی رہی کہ میرے پیسے تو نہیں دینے تھے پھر جب میں بعد کو ان سے ملی تو میں نے کہا کہ اماں آپ نے یہ مجھے کیسے پیسے بھیجے میرا تو قرضہ نہیں دینا تھا تو والدہ نے کہا کہ دیکھو وہ آپ کی بہن ہے اگر میں اس کو کہتی کہ میں تمہاری بہن کو دیتی ہوں تو اس کی نظر میں تمہاری جو شخصیت ہے وہ ہلکی ہوتی تو میں نے یوں کہہ دیا کہ میں نے پیسے دینے تھے تاکہ تمہاری بہن سمجھے کہ یہ قرض ہے جو میں تمہاری بہن کو واپس لوٹا رہی ہوں —— نیکی بھی کی مگر ایسے طریقے سے کہ پتہ بھی نہ چلا دوسرے بندے کو۔

اور دوسرا واقعہ مجھے میری بڑی بہن نے بتایا کہ امی آخری علالت بیماری کی حالت میں تھیں اس وقت ذرا پیدل چلتی تھیں تو اس وقت سانس چڑھ جاتا تھا، بڑھاپا تھا، عمر بھی بہت زیادہ ہو چکی تھی تو امی ایک محلے دار عورت کا نام لیتی تھیں کہ اتنے دن ہو گئے اس کے حال کا پتہ نہیں چلا، اب پتہ نہیں کس حال میں ہیں مجھ سے پوچھتی تھیں کہ تمہیں کبھی ملی تو میں نے کہا نہیں کبھی نہیں ملی اچانک میں ایک دن آرہی تھی اس راستے میں تو مجھے وہ عورت مل گئی تو میں نے اس سے کہا کہ میری والدہ تو تمہیں یاد کرتی ہیں اس نے کہا کہ جی

ہمارا کرایہ کا مکان تھا میں نے بدل لیا اب میں فلاں جگہ پر ہوں میں نے گھر آ کر امی کو بتایا کہ امی وہ مجھے مل گئی تھی اگر آپ مجھے بتائیں کچھ اس کو دینا ہے یا کرنا ہے تو بتا دیں امی نے کہا نہیں بس میں اس کو ملنا چاہتی ہوں پھر دوسرے دن امی کہنے لگیں کہ مجھے اس کی طرف لے جاؤ اب بتائیں اس بڑھاپے میں اس بیماری میں بیٹی اپنی والدہ کو سہارا دیتی ہیں اور والدہ چلتی ہیں اور راستے میں تین جگہ بیٹھنا بھی پڑا، کمزوری، بیماری اور تھکاوٹ کی وجہ سے، اس مشقت کے ساتھ امی وہاں پہونچیں، اس سے حال پوچھا اور ایک منٹ کے اندر امی نے کس طرح اس کو پیسے دیئے یہ مجھے پتہ نہیں چلا مگر میں یہ سمجھی کہ امی نے صرف حال پوچھا اور واپس آ گئیں۔ جب والدہ کی وفات ہوئی تو وہ عورت مجھے ملنے کے لئے آئیں اور کہنے لگی تمہاری امی جو مجھے ملنے آئی تھیں انہوں نے مجھے چپکے سے کچھ پیسے پکڑا دیئے تھے، اپنی بیٹی تھی، اس کو پیسے دیکر بھیج سکتی تھیں ،مگر انہوں نے یہ سنا ہوا تھا کہ جو نیکی خفیہ رکھی جاتی ہے اس عمل کا اجر ہی کچھ اور ہوتا ہے، تو یہ چیزیں ماں باپ سے بچے سیکھتے ہیں، آپ بھی اگر اپنے بچے کی تربیت کرنا چاہتی ہیں، تو بچے کے سامنے پریکٹیکلی یہ کام کریں، ایسے طریقے سے کریں کہ یہ بچے کی permanent memory (مستقل یادداشت) کا حصہ بن جائیں، پھر یہ بچہ بڑا ہو کر امام غزالیؒ کا جانشین بنے گا، امام رازی کا جانشین بنے گا، رومی اور جامی کے اثرات اس کی شخصیت میں نظر آئیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں کو اچھی تعلیم، اچھی تربیت دینی کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

❁❁❁

محترم قارئین !

صفحہ ۷ ۳ تا صفحہ ۵۴ پر ریحانۃ العصر **حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی** دامت برکاتہم کا جو بیان بعنوان ''بچوں کی پرورش'' سے شائع کیا گیا ہے، یہ بیان حضرت والا دامت برکاتہم کی ہی آواز میں CD میں بھی دستیاب ہے۔ ''CD-30'' خصوصی طور سے بچوں کی ہر پہلو سے نشو نماء کے سلسلے کے بیانات کی مستقل سریز پر ہی مشتمل ہے۔ آپ اِسے نعمانی اکیڈمی سے حاصل کر سکتے ہیں یا آرڈر دیکر گھر بیٹھے منگوا سکتے ہیں۔

ملنے کے پتے:

خانقاہ نعمانیہ: ممداپور، نیرل (ماتھےران والا) تعلقہ کرجت، ضلع رائے گڑھ۔ (دستی حاصل کرنے کے لئے)

نعمانی اکیڈمی، ۱۱۴/۱۳ نظیر آباد، لکھنؤ، 226018۔ فون 9369026355_0522-4079758

E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com